RNI No. - MAHURD/2011/49433

اھلُ السُنَّة
Ahl Us Sunnah

اتباع الکتاب والسنة بفہم سلف الأمة

جنوری ۲۰۲۶ء | January 2026

اعتبار راوی کی روایت کا ہوگا نہ کہ روایت کے برخلاف فتویٰ کا

معیار الحق: مشمولات واثرات (قسط ثالث)

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع الیدین پر مناظرہ

نقش بندی اور ان کے عقائد: ایک تحقیقی جائزہ

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

ماہنامہ

Vol: 15 | Issue : 01 | Urdu-Monthly | Mumbai | January 2026 | Page 52 | Price: 40/-

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

سلسلۂ کلام شاعر: شعراء اہل حدیث ہند 6

تو ہی فقط سہارا ہے

کلام: استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ عزیز الرحمٰن عزیزؔ سلفی رحفظہ اللہ
(سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس الہند)
موضع ٹکریا، پوسٹ کسمہی، تحصیل ڈومریا گنج، ضلع سدھارتھ نگر یوپی الہند

انتخاب وترتیب: ابوالبیان رفعتؔ سلفی

ہے کلی کلی کے رخ پر، ترا حسن آشکارا
تری روشنی سے روشن ہے قمر بھی اور ستارا

تو ہی عرش پر مکیں ہے، ترا حکم ہے زمیں پر
تو محیطِ بیکراں ہے، نہیں تیرا کچھ کنارا

ترا نور صبح میں ہے، ہے شفق میں تیرا جلوہ
تری رحمتوں نے یارب ہے چمن چمن سنوارا

مری غفلتوں میں ڈوبا، مرے زیست کا سفینہ
تو جو چاہے دے دے ساحل، ہے تو ہی فقط سہارا

ترے در پہ آ گیا ہوں، لیے آرزو کرم کی
تری بارگہ سے نکلا، تو کہاں مرا گذارا

وہ قصوروار ہوں میں، نہیں قابل معافی
ہے مری نجات ممکن، ترا ہو، اگر، اشارا

اے خلیل کے محافظ، مری سمت بھی نظر ہو
کہ ترے سوا جہاں میں نہیں کوئی بھی ہمارا

Ahlus Sunnah Volume No.15, Issue No.01, Januray, 2026

ماہنامہ

جنوری ۲۰۲۶ء

جلد: ۱۵
شمارہ: ۱

فی شمارہ Rs. 40/-
سالانہ Rs. 400/-

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الکتاب والسنۃ بفہم سلف الأمۃ

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 7045788251

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبیدالرحمٰن مدنی ● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch
Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836
Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at : Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg,
Lower Parel (West), Mumbai - 400 013.

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010
Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اهل السنة
Ahl Us Sunnah

جنوری ۲۰۲٦ء | January 2026

فہرست

اعتبار راوی کی روایت کا ہوگا نہ کہ روایت کے برخلاف فتویٰ کا	کفایت اللہ سنابلی	5
معیار الحق: مشمولات واثرات (قسط ثالث)	راشد حسن مبارکپوری	13
امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع الیدین پر مناظرہ	کفایت اللہ سنابلی	17
علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے محاضرات کا تحریری سلسلہ...... (قسط:۲)	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	22
نقش بندی اور ان کے عقائد: ایک تحقیقی جائزہ	فیصل عزیز	34
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ (قسط:١٦)	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	36
نمازِ وتر کے احکام ومسائل (قسط: ثانی)	ام محمد خوشنما مصلح الدین	40
دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین	شبانہ الماس بنت شاہ عالم	45

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اعتبار راوی کی روایت کا ہوگا نہ کہ روایت کے برخلاف فتویٰ کا

کفایت اللہ سنابلی

جب قرآن اور صحیح حدیث سے ایک مسئلہ ثابت ہوجائے تو اسی کو لیا جائے گا، اس کے خلاف کسی بھی امتی کا قول نہیں لیا جاسکتا کیونکہ قرآن وحدیث وحی ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہے جبکہ امتی کے قول میں غلطی کا امکان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ امتی نے حالات یا کسی مصلحت کے سبب نص کے خلاف فتویٰ دیا ہو جس میں وہ معذور ہو۔

حتیٰ کہ کوئی صحابی ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں تو بھی ان کی روایت کردہ حدیث ہی کو لیا جائے گا نہ کہ اس کے خلاف ان کے فتویٰ کو، کیونکہ ان کے اس طرح کے فتویٰ میں بھی مذکورہ احتمالات ہو سکتے ہیں، کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

لبن الفحل کا مسئلہ:

اگر ایک شوہر کی بیوی اس کے نطفہ سے حاملہ ہوجائے تو پھر ولادت کے بعد یہ بیوی جن جن کو دودھ پلائے گی وہ سب کے سب اس کے شوہر اور شوہر کے خونی اقرباء کے رضاعی رشتہ دار ہوں گے، کیونکہ بیوی کو دودھ اس کے شوہر کے نطفہ کے سبب ہی ہوا ہے، اس لیے اس دودھ کے ساتھ شوہر کا تعلق جڑا ہے۔ اسی مسئلہ کو ''لبن الفحل'' کہا جاتا ہے، فحل سے مراد شوہر ہے اور لبن سے مراد بیوی کا دودھ ہے، لیکن اسے شوہر کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''لبن الفحل'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ شوہر کے نطفہ کے سبب ہی یہ دودھ وجود میں آتا ہے۔

''لبن الفحل'' سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس سلسلے میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ صریح حدیث ملاحظہ کیجئے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶ھ) نے کہا:

حدثنا آدم، حدثنا شعبة، أخبرنا الحكم، عن عراك بن مالك، عن عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها، قالت: "استأذن علي أفلح، فلم آذن له، فقال: أتحتجبين مني وأنا عمك، فقلت: وكيف ذلك؟ قال: أرضعتك امرأة أخي بلبن أخي، فقالت: سألت عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: صدق أفلح ائذني له".

اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''افلح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو میں نے اسے اجازت نہ دی۔ وہ کہنے لگے۔ تم مجھ سے پردہ کرتی ہو، حالانکہ میں تو تمہارا چچا ہوں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: میرے بھائی کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا ہے وہ دودھ میرے بھائی کی وجہ سے تھا۔

اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: افلح سچ کہتا ہے (اسے اندر آنے کی) اجازت دو"۔[صحيح البخاري:۱۶۹/۳، رقم۲۶۴۴]

اس حدیث کو روایت کرنے والی اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں، لیکن اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے اس حدیث کے خلاف عمل ثابت ہے، چنانچہ:

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی:۱۷۹ھ) نے کہا:

عن عبد الرحمن بن القاسم، عن أبيه، أنه أخبره:"أن عائشة زوج النبي ﷺ كان يدخل عليها من أرضعته أخواتها، وبنات أخيها، ولا يدخل عليها من أرضعه نساء إخوتها".

قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:" اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ لوگ جاسکتے تھے جن کو ان کی بہنوں یا بھتیجیوں نے دودھ پلایا ہے، لیکن وہ لوگ نہیں جاسکتے تھے جن کو ان کے بھائیوں کی بیویوں نے دودھ پلایا ہے"۔[موطأ مالك ت عبد الباقي:۶۰۴/۲،وإسناده صحيح وأخرجه البيهقي في معرفة السنن: رقم۱۵۴۲۷ من طريق عبد الرحمٰن بن القاسم به ، وأخرجه أيضا سعيد بن منصور في سننه رقم۹۶۳من طرق عن القاسم بن محمد به]

اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھابھیوں کا دودھ پینے والوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھیں، حالانکہ "لبن الفحل" کے سبب یہ لوگ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی رشتہ دار تھے اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود یہ حدیث روایت کررکھی ہے کہ "لبن الفحل" سے رضاعی رشتہ ثابت ہوتا ہے اور ایسے رضاعی رشتہ والے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آسکتے ہیں۔

یہ مثال احناف کے اس اصول کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو راوی کے عمل وفتویٰ کو لیا جائے گا۔ کیونکہ احناف نے بھی اس مسئلہ میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل وفتویٰ کو ترک کردیا ہے اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اپنایا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۶ھ) اس مثال کو لے کر احناف کے اس اصول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا خبر لم يروه عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - إلا عائشة وحدها، وقد صح عنها خلافه، فأخذوا بروايتها وتركوا رأيها، ولم يقولوا: لم تخالفه إلا لفضل علم عندهن، وقالوا: لا ندري لأي معنى لم يدخل عليها من أرضعته نساء إخوتها".

"اس حدیث کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے، اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی

سے اس کے مخالفت ثابت ہے،تو ان لوگوں نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو لے لیا اور ان کی رائے کو ترک کردیا، اور حسب عادت یہ نہیں کہا کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لیے مخالفت کی ہوگی کہ ان کے پاس کوئی اضافی علم ہوگا“۔[المحلى لابن حزم، ط بيروت:۱۰/۱۸۳]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) اس مثال کی روشنی میں احناف کے غلط اصول اور ان کی بے بسی کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وألزم به بعضهم من أطلق من الحنفية القائلين أن الصحابي إذا روي عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثا وصح عنه ثم صح عنه العمل بخلافه أن العمل بما رأى لا بما روى لأن عائشة صح عنها أن لا اعتبار بلبن الفحل ذكره مالك في الموطأ وسعيد بن منصور في السنن وأبو عبيد في كتاب النكاح بإسناد حسن وأخذ الجمهور ومنهم الحنفية بخلاف ذلك وعملوا بروايتها في قصة أخي أبي القعيس وحرموه بلبن الفحل فكان يلزمهم على قاعدتهم أن يتبعوا عمل عائشة ويعرضوا عن روايتها ولو كان روى هذا الحكم غير عائشة لكان لهم معذرة لكنه لم يروه غيرها وهو الزام قوي“.

”احناف میں سے جن لوگوں نے علی الاطلاق یہ کہا ہے کہ جب ایک صحابی کوئی حدیث روایت کرے اور وہ سنداً اس سے ثابت ہو، پھر اسی صحابی سے یہ بھی ثابت ہو کہ اس نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو اعتبار صحابی کے عمل وفتویٰ کا ہوگا نہ کہ صحابی کی روایت کردہ حدیث کا۔اس اصول کا رد بعض اہل علم نے یہ الزامی جواب دیتے ہوئے کیا ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ عمل وفتویٰ ثابت ہے کہ ”لبن الفحل“ کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ مالک نے ”موطا“، سعید بن منصور نے ”سنن“ اور ابوعبید نے ”کتاب النکاح“ میں بسند حسن روایت کیا ہے، لیکن جمہور بشمول احناف نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کو لیا ہے، جس میں ابوالقیس کے بھائی (افلح) کا واقعہ ذکر ہے اور ”لبن الفحل“ کے سبب حرمت رضاعت کا اعتبار کیا ہے۔لہٰذا احناف پر لازم تھا کہ وہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کی پیروی کرتے اور ان کی روایت کردہ حدیث سے اعراض کرتے، اور اگر اس حدیث کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور صحابی نے روایت کیا ہوتا تو احناف کے لیے گنجائش تھی، مگر صورت حال یہ ہے کہ اس حدیث کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے، اس لیے احناف کو دیا گیا یہ الزامی جواب بہت قوی اور مضبوط ہے“۔ [فتح الباري لابن حجر، ط المعرفة:۹/۱۵۲]

حقیقت یہ کہ اس مثال نے حنفیت کے اصول کا جنازہ نکال دیا ہے اور پوری دنیائے حنفیت میں کسی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

بعض احناف نے ہمت جٹا کر یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا جن لوگوں کے اپنے پاس نہیں آنے دیتی تھی، تو اس کی وجہ حرمت رضاعت کا عدم اعتبار نہیں بلکہ کوئی اور وجہ ہوگی۔

عرض ہے کہ یہ جواب انتہائی لایعنی اور بے سود ہے کیونکہ روایت میں پوری طرح صراحت ہے کہ اجازت دینے اور نہ دینے کی وجہ حرمت رضاعت کا اعتبار اور عدم اعتبار تھا۔ چنانچہ جن کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنے کی اجازت دی ان کے تعلق سے الفاظ ہیں:

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی:۱۷۹) نے کہا:

”كان يدخل عليها من أرضعته أخواتها، وبنات أخيها“.

”اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ لوگ جاسکتے تھے جن کو ان کی بہنوں یا بھتیجیوں نے دودھ پلایا ہے“۔

اور جن کو آنے کی اجازت نہ تھی ان کے تعلق سے الفاظ ہیں:

”ولا يدخل عليها من أرضعه نساء إخوتها“.

”لیکن وہ لوگ نہیں جاسکتے تھے جن کو ان کی بھابھیوں نے دودھ پلایا ہے“۔

ملاحظہ فرمائیں روایت پوری طرح صراحت کررہی ہے کہ یہ سارا معامہ صرف اور صرف حرمت رضاعت کی بنا پر تھا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۶) اس لایعنی جواب کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وقال بعضهم: للمرأة أن تحتجب ممن شاءت من ذوي محارمها؟ فقلنا: إن ذلك لها إلا أن تخصيصها - رضي الله عنها - بالاحتجاب عنهم من أرضعته نساء أبيها، ونساء إخوتها، ونساء بني أخواتها، دون من أرضعته أخواتها، وبنات أخواتها، لا يمكن إلا للوجه الذي ذكرنا، لا سيما مع تصريح ابن الزبير - وهو أخص الناس بها - بأن لبن الفحل لا يحرم، وأفتى القاسم بذلك، فظهر تناقض أقوالهم والحمد لله رب العالمين“.

”بعض نے یہ کہا ہے کہ: ایک عورت کی اپنی مرضی ہے کہ وہ محرم رشتہ داروں میں بھی جن کو چاہے اپنے پاس آنے سے روک دے، تو ہمارا کہنا ہے کہ: بے شک عورت کو اس کا حق ہے، لیکن یہاں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنہیں اپنے پاس آنے سے روکا ہے ان کی خاصیت یہ بتائی ہے کہ وہ ان کے والد، بھائیوں اور بھتیجوں کی بیویوں کے رضاعی

رشتہ دار ہیں، اور جو لوگ ان کی بہنوں اور نواسیوں کے رضاعی رشتہ دار ہیں انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا یہاں وجہ صرف وہی ہوسکتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، بالخصوص جبکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریبی ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ ''لبن الفحل'' سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، نیز قاسم بن محمد نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، اس سے ان مقلدین کی باتوں کا تناقض ثابت ہوگیا والحمد للہ''۔[المحلى لابن حزم، ط بيروت:۱۸۳/۱۰]

خلاصہ یہ کہ جب اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی روایت کردہ صریح حدیث کے خلاف موقف اپنا سکتی ہیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہ طلاق سے متعلق اپنی حدیث کے خلاف تو بدرجۂ اولیٰ فتویٰ دے سکتے ہیں کیونکہ ان کے والد نے طلاقِ بدعت کے وقوع کا قانون ہی بنا دیا تھا۔

''صلاۃِ وسطیٰ'' کا مسئلہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ''صلاۃ وسطیٰ'' سے مراد صلاۃ عصر ہے۔

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الصمد، حدثنا ثابت، حدثنا هلال، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: "قاتل النبي صلى الله عليه وسلم عدوا، فلم يفرغ منهم حتى أخر العصر عن وقتها ، فلما رأى ذلك قال : اللهم من حبسنا عن الصلاة الوسطى ، فاملأ بيوتهم نارا ، واملأ قبورهم نارا".

"ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ''کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا اور دشمنوں سے عصر کے آخری وقت ہی فارغ ہوئے، جب آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا: اے اللہ! جن لوگوں نے ہمیں ''صلاۃ وسطیٰ'' سے روک دیا ہے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے"۔[مسند أحمد ط الميمنية:۳۰۱/۱ وإسناده صحيح وأخرجه عبد بن حميد في المنتخب طريق محمد بن الفضل عن ثابت به ، وأخرجه أيضا البزار كما في كشف الأستار:۱۹۷/۱ من طريق عباد بن العوام، و الطبراني في الكبير:۳۲۹/۱۱ والأوسط:۲۸۴/۲ من طريق أبي عوانه ، كلاهما عن هلال به]

لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت کردہ اس حدیث کے خلاف یہ فتویٰ دیا ہے کہ "صلاۃ وسطیٰ" سے مراد صلاۃ فجر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

"حدثنا وكيع، عن قرة, قال: حدثنا أبو رجاء، قال: صليت مع ابن عباس الصبح في مسجد البصرة، فقال: هذه الصلاة الوسطى".

"ابو رجاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بصرہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے کہا:

یہی ''صلاۃ وسطیٰ'' ہے"۔[مصنف ابن أبي شيبة، ط الفاروق:۵۱۶/۳ وإسناده صحيح وأخرجه الطحاوی في شرح معاني الآثار، ت النجار:۱۷۰/۱ من طريق أبي داؤد عن قرة به ،وأخرجه أيضا عبد الرزاق في مصنفه، رقم:۲۲۰۷ والطحاوي في شرح معاني الآثار، ت النجار:۱۷۰/۱: من طريق عوف عن أبي رجاء به ، وأخرجه أيضا اسماعيل القاضي من طريق آخر و صححه كما في التمهيد لابن عبد البر:۲۸۵/۴ وله طرق كثيرة عن ابن عباس]

واضح رہے کہ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی صلاۃ عصر کو صلاۃ وسطیٰ کہا ہے وہ ساری روایات ضعیف ہیں،قدرے تفصیل کے لیے دیکھئے:[تفسير سنن سعيد بن منصور:۹۱۷/۳ تا۹۲۰حاشيه]

آزادی کے بعد شادی شدہ لونڈی کے نکاح کا مسئلہ:

بریرہ رضی اللہ عنہا جب لونڈی تھی تبھی ان کی شادی ہوگئی تھی، بعد میں ان کے مالک نے انہیں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیچ دیا اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خریدنے کے بعد آزاد کردیا،لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خرید وفروخت کو طلاق قرار نہیں دیا بلکہ انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو بدستور اپنے شوہر کی بیوی بنی رہیں اور چاہیں تو الگ ہوجائیں۔

اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ شادی شدہ لونڈی کو بیچ دینے یا اسے آزاد کردینے سے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶ھ) نے کہا:

ثنا محمد، أخبرنا عبد الوهاب، حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس:"أن زوج بريرة كان عبدا يقال له مغيث، كأني أنظر إليه يطوف خلفها يبكي ودموعه تسيل على لحيته، فقال النبي صلى الله عليه وسلم لعباس: يا عباس، ألا تعجب من حب مغيث بريرة، ومن بغض بريرة مغيثا فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لو راجعته. قالت: يا رسول الله تأمرني؟ قال: إنما أنا أشفع. قالت: لا حاجة لي فيه".

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے جنہیں مغیث کہا جاتا تھا۔ گویا وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جب وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے روتے ہوئے گھوم رہے تھے اور ان کے آنسوان کی داڑھی پر بہہ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"اے عباس! کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر حیرت نہیں؟" آخر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:" کاش تم ان سے رجوع کرلو" انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ آپ کا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"نہیں، میں صرف سفارش کررہا ہوں" اس پر بریرہ رضی اللہ عنہا کہا: مجھے ان کی ضرورت نہیں

ہے"۔ [صحيح البخاري:۴۸/۷ رقم۵۲۸۳]

اور سنن ترمذی کی اسی رویت میں ہے:

"يوم أعتقت بريرة"، "جس دن بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد کی گئیں"۔[سنن الترمذي ت شاكر رقم۱۱۵۶وإسناده صحيح]

اور مسند احمد کی اسی رویت میں ہے:

"لما خيرت بريرة رأيت"۔ "جب بریرہ کو اختیار دیا گیا"۔[مسند أحمد ط الميمنية:۲۱۵/۱ إسناده صحيح]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ اس حدیث میں واضح ہے کہ شادی شدہ لونڈی بیچ دی جائے یا آزاد کردی جائے تو اس سے اس کی طلاق نہیں ہوجاتی بلکہ اسے اختیار ہوتا ہے وہ چاہے تو بدستور بیوی بنی رہے اور چاہے تو الگ ہوجائے۔

لیکن دوسری طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح یہ فتویٰ بھی ثابت ہے کہ لونڈی کو بیچنا ہی اس کی طلاق ہے، چنانچہ:

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ (المتوفی:۲۲۷) نے کہا:

حدثنا هشيم، قال: أخبرنا خالد الحذاء، عن عكرمة، عن ابن عباس:أنه كان يقول في بيع الأمة : فهو طلاقها"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: کہ انہوں نے لونڈی کو بیچے جانے پر کہا کہ یہی اس کی طلاق ہے"۔

[سنن سعيد بن منصور، ت الأعظمي:۶۳/۲ وإسناده صحيح علي شرط الشيخين]

ملاحظہ فرمائیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی ہی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔لیکن اہل علم نے یہاں ان کے فتویٰ کو نہیں لیا بلکہ ان کی حدیث کو لیا ہے۔

لونڈی والی مثال پر احناف کا اعتراض اور اس کا جواب:

مغیث و بریرہ رضی اللہ عنہما کی مثال پر بعض احناف کا اعتراض یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت کردہ جس حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے وہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی روایت کیا ہے، اس لیے یہاں راوی کے فتویٰ کے مقابلے میں اس کی روایت کو ترک کرنا نہیں ہے، کیونکہ دیگر صحابہ نے اپنی اس حدیث کے خلاف فتویٰ نہیں دیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:

اس مثال میں کم سے کم یہ تو تسلیم کیا گیا کہ ایک صحابی اپنی حدیث کے خلاف بھی فتویٰ دے سکتا ہے اور اس کی حدیث مقبول اور اس کا فتویٰ غیر مقبول ہوسکتا ہے، رہی بات یہ کہ اسی حدیث کو دیگر صحابہ نے روایت کیا ہے اور انہوں

نے اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ نہیں دیا ہے،تو اس کے باوجود بھی یہ حقیقت تو مسلم رہے گی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے اوران کے فتویٰ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔

توجب لونڈی کے مسئلہ میں کوئی صحابی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے سکتے ہیں،تو طلاق کے مسئلہ میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے سکتے ہیں۔

رمل کے سنت ہونے کی مثال: ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے متعلق ایک اور مثال ایک بریلوی عالم کی زبانی سنئے، مولانا کرم شاہ ازہری بریلوی صاحب فرماتے ہیں:

”ہم آپ کو فقہ کے بیسیوں مسائل دکھا سکتے ہیں کہ فقہاء نے راوی کی روایت پر عمل کیا ہے اوراس کی رائے کو چھوڑ دیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک مثال ملاحظہ فرماویں: عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم:” أمر أصحابه أن يرملوا الأشواط الثلاثة“. [بخاري: رقم ۱۶۰۲]

اورآپ کا قول یہ ہے کہ: ”ليس الرمل بسنة“ [سنن أبي داؤد: رقم۱۸۸۵] اب عمل روایت پر ہے ان کی رائے پر نہیں“۔(دعوت فکر ونظر: مطبوع در مجموعہ مقالات: ص:۲۴۱)

اس دوسری مثال سے متعلق ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن قيل: إن ابن عباس قال في الرمل: ليس سنة، وهو راوي الحديث؟ قلنا: لا حجة في أحد مع رسول الله - صلى الله عليه وسلم.

اگر کہا جائے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے،اور رمل والی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہی روایت کی ہے،تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی کا قول بھی حجت نہیں ہے“۔[المحلی لابن حزم، ط بيروت:۸۴/۵]

ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ یہ بھی تو اصول ہے کہ راوی اپنی روایت کا مطلب دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

توعرض ہے کہ یہ بات تب کہی جاسکتی ہے جب اپنی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کوئی موقف اپنائے لیکن جہاں راوی اپنی روایت کردہ حدیث سے استدلال نہ کرکے بلکہ نامعلوم وجہ سے روایت کردہ حدیث کے خلاف موقف اپنالے تو یہاں یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ راوی نے اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف موقف اپنایا ہے۔لہٰذا ایسے مواقع پر یہی اصول چلے گا کہ ”العبرة بما روىٰ لا بمارای“، یعنی اعتبار راوی کی روایت کا ہوگا نہ کہ روایت کے برخلاف فتویٰ کا۔

(قسط رابع)

معیار الحق: مشمولات واثرات

راشد حسن مبارکپوری استاد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو

جمع بین الصلاتین:

دو نمازوں کو ایک ساتھ جمع کر کے پڑھنا اہل حدیث اور احناف کے مابین ایک نزاعی مسئلہ رہا ہے، اہل حدیث اور بقیہ تمام ائمۂ کرام وجمہور اہل علم باتفاق جمع بین الصلاتین عذر یا سفر وغیرہ کی وجہ سے جمع تقدیم وتاخیر دونوں کے قائل ہیں، نوعیت میں قدرے اختلاف ہے، یہ جمع کرنا ظہر اور عصر کے درمیان، اور مغرب اور عشاء کے درمیان ہوگا۔ جبکہ احناف اسے درست نہیں سمجھتے سوائے عرفات اور مزدلفہ کے۔ احناف جمع بین الصلاتین کے بارے میں تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں، اور انہیں جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، مثلاً ظہر کی نماز عصر کے ساتھ ایسے ملائی کہ ظہر کا آخر وقت تھا اور عصر کا اول وقت، جبکہ یہ معنیٰ اپنے طور پر تاویل کرتے ہوئے ہوسکتا ہے، لیکن احادیث وسنت میں اس کی کوئی وضاحت نہیں، یہ محض ایک نوع کا ذہنی خیال ہے اور بس۔

شیخ الکل مرحوم نے اس پر بھی مفصل کلام کیا ہے، پہلے موضوع سے متعلق ایک مختصر سی تمہید ہے، اس کے بعد جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں قسم کی احادیث کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اور درمیان میں ان کے معانی ومفاہیم کی درست تفہیم کی خاطر کلامِ سلف اور علماء متقدمین ومتاخرین سے استیناس کیا ہے، جمع تقدیم کی بابت تین احادیث اور جمع تاخیر کی بابت گیارہ احادیث وآثار پر اکتفا کیا ہے، جبکہ احادیث اس کے علاوہ مزید بھی ہیں، اس کے بعد مؤلف تنویر کے پیش کردہ دلائل کا محاکمہ کیا ہے۔

ابتدائیہ ملاحظہ فرمائیں:

اس مسئلہ کی تحقیق کان لگا کر سننی چاہیے، کہ اس مسئلہ میں جناب مؤلف نے بہت آبلہ فریبی اور حق پوشی کی ہے کہ دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں، جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں، یعنی ایک روایت ابوداؤد کی جس کے راوی میں ضعف تھا، ہماری دلیل ٹھہرا کر نقل کردی، اور جو روایتیں صحیحہ متعددہ اس میں تھیں، چھوڑ دیں۔ ایسے ہی ایک روایت طبرانی کی معجم اوسط سے، اور ایک روایت حاکم کی اربعین سے، جن میں کچھ ضعف تھا، دلائل ٹھہرا کر نقل کر کے ان کے بعض راویوں پر طعن کیا، اور جو روایتیں صحیحہ متعددہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ،

مسند ابی یعلیٰ، مصنفات بیہقی، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، معانی الآثار طحاوی اور مستخرج لابی نعیم وغیرھا میں مشہور اور متداول تھیں، نقل کر کے ان کا جواب نہیں دیا۔

کاش صحاح ستہ ہی کی صحیح حدیثوں کو دلیل ٹھہراتا اور پھر ان سے جواب دیتا، یہ کیا دین داری ہے، اور کیا مردانگی کہ کتب متداولہ صحیحہ بخاری ومسلم جیسی کو چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا، اور ان سے دو ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کا جواب دے دیا، تاکہ عوام کو یقین ہو کہ مجوزین جمع بین الصلاتین کے فقط اسی قدر دلیلیں رکھتے ہیں، جن کو مؤلف نے ضعیف کر دیا۔ خیر جو کیا بزعم خود اچھا کیا، اب ہم سے تحقیق اس مسئلہ کی کما ینبغی سننا چاہئے، کہ اپنی دلیلیں کیسی قوی پیش کرتے ہیں، اور تمام حنفیوں کے عذرات کو، جو مؤلف نے بیان کئے ہیں وہ بھی، اور جو دیگر حنفیوں نے بیان کئے ہیں وہ بھی، کس طرح بالاستیعاب نقل کر کے ان کا جواب دیتے ہیں۔

پس مخفی نہ رہے کہ جمع بین الصلاتین فی السفر صحیح اور ثابت ہے رسول اللہ ﷺ سے بروایت جماعت عظیمہ کے صحابہ کبار سے جن میں سے چند ہیں: (۱) علی رضی اللہ عنہ (۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۳) انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۴) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما (۵) عائشہ رضی اللہ عنہا (۶) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۷) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (۸) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۹) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ (۱۰) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فی إحدی الروایتین (۱۲) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۱۳) سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۱۴) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ اور مروی ہیں روایتیں ان کی ان تیرہ کتب حدیث میں جن کا ذکر بالا گزرا، اور کتنی اور کتب میں سوائے ان کے۔ لیکن مجموعہ روایات میں بعض تو ایسی ہیں کہ ان میں فقط جمع کرنا رسول اللہ ﷺ کا دو نمازوں کو بیان کیا ہے اور کیفیت اس جمع کی بیان نہیں کی۔

(معیار: ص: ۴۸۱۔۴۸۲)

شیخ الکل مرحوم نے بڑی تفصیل سے جمع تقدیم وتاخیر کی بیشتر احادیث بیان کی ہیں اور اس مسئلہ کو بڑی دقت وباریکی کے ساتھ اقوال سلف وخلف کی روشنی میں واضح کیا ہے، اخیر میں اس حوالے سے علماء احناف کے تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جمع فی السفر یہ واضح اور بدیہی مسئلہ ہے۔ اس طرح یہ بحث کتاب کی آخری بحث ہے، جو (ص: ۵۴۴) پر کتاب کے ختم ہونے کے ساتھ تمام ہوتی ہے۔ آخری جملے یہ ہیں:

(فللّٰه الحمد أولا وآخرًا وظاهرًا وباطنًا على ما أيدنا لإثبات الجمع في السفر بين الصلاتين،

الصحيح الثابت المروى عن النبى صاحب قاب قوسين صلى الله عليه وسلم وآله وصحبه صفوة الثقلين.)

اس کے بعد شیخ الکل نے - خاتمہ الکتاب - مختصراً تحریر فرما کر رخصت لی۔ اور اختتامیہ یوں کیا:

(ہذا آخر ما ألہم الله خالق الثقلين عبده العاجز: محمد نذير حسين،عافاه الله فى الدارين، بجاه سيد الثقلين)

(جاہ الثقلین کا جملہ اہل حدیث اور کتاب وسنت کے خلاف ہے، کہ یہ وسیلہ بالاموات کی قبیل سے ہے، لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے ملاحظہ کیا جائے اور اختلاف سوائے شارع کے سب سے کیا جا سکتا ہے، منہج اہل حدیث کی یہی خوبصورتی ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: كل يؤخذ من قوله ويُرد إلا صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم۔

سچ یہ ہے کہ یہ کتاب طلبۂ علم کو خاص طور پر پڑھنا چاہیے، غیر معمولی علمی فائدہ ہوگا، بس شرط یہ ہے کہ سرسری نہ پڑھی جائے، دلجمعی اور رغبت وتوجہ اور گہرائی سے مطالعہ کیا جائے، تو یقین ہے کہ علم واستدلال، مسائل کی بحث وتمحیص اور استخراج فوائد ونکات کے باب میں واقعی فرق محسوس ہوگا، محسوس ہوگا کہ مطالعہ سے دل کو ایک نوع کا اعتماد علمی حاصل ہوا۔

اسلوب:

معیار الحق کے مباحث حساس اور خالص مناظرانہ ہیں، لیکن مؤلف نے انتہائی متانت اور سنجیدگی سے موضوع کو برتا ہے، اصل موضوع کو سامنے رکھا ہے، پوری کتاب میں کہیں زائد یا لغو باتیں شاید ہی مل سکیں، جس گوشے پر گفتگو کی ہے انتہائی عالمانہ انداز کی ہے، جملہ دلائل وبراہین عقلیہ ونقلیہ کا استقصاء کیا ہے، دلائل اس قدر فراوانی سے دیئے ہیں کہ باشعور قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، مسائل کے کشف وایضاح میں قلم بڑے اعتماد کے ساتھ چلا ہے، اس قدر خشک موضوع میں بھی ادبیت کی چاشنی اور اعلیٰ ذوق کے جا بجا مظاہر ملتے ہیں، یہ وصف آپ کے دیگر رسائل میں بھی ملتا ہے، سوائے بعض ان رسائل کے جو انتہائی اختصار سے لکھے گئے ہیں۔ ساتھ ہی متقدمین ومتاخرین کی کتابوں سے جا بجا حوالے ہیں، جو مؤلف کی وسعت نظر اور فقہ وبصیرت پر دلالت کناں ہیں، بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن کی بابت عہدِ نو میں جینے والی نسل شاید آگاہ نہ ہو، اس طرح محض ایک کتاب کے مطالعہ سے علماء سابقین کی نادر اور قیمتی کتابوں

سے بھی آ گاہی ہوجاتی ہے۔

زبان قدیم اردو کی نمائندگی کرتی ہے، علماء رفتہ کے یہاں فارسی وعربی زدہ اردو لکھنے کا رواج عام تھا، اس زمانہ میں یہی اہلِ ذوق واہلِ شعور کی زبان تھی، اس کو علمی حلقوں میں برتا جاتا تھا، گوعہدِ نو کے لیے یا نسلِ نو کے لیے یہ بہت آسان نہیں، تاہم رہروانِ علم وآ گہی اس طرزِ سخن سے بہت کچھ کشید کر سکتے ہیں، اس کا افسوس ہے کہ اس طرح کی زبان کو پاسداران ادب اردو نے اپنے یہاں جگہ نہیں دی، غالباً اس کی وجہ ایک یہ ہوسکتی ہے کہ میاں صاحب کے یہاں مشمولات بیشتر مذہبی ہیں، اور وہ بھی وہابیت زدہ تو اس تلخ گھونٹ کو کیسے پیا جا سکتا تھا، سو نہ پیا گیا۔

کتاب میں کہیں کسی بھی طرح کی تعلیٰ اور عجب کی اظہار سے قطعی احتراز کیا ہے، اپنی سنجیدہ علمی شناخت کی پوری چھاپ چھوڑی ہے۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ بھی اس علمیت، سنجیدگی اور بلند معیار کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے:

’’اسی زمانے میں معیار الحق دیکھی اور اس کا جواب انتصار الحق مولانا ارشاد حسین رامپوری کا اور مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا۔ اور صاحب انتصار کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا‘‘۔ (مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی از: عبدالرزاق ملیح آبادی: ص:۳۶۶)

ایک اہم بات شاید قابل ذکر ہو کہ شیخ الکل کبھی کبھی عربی میں بھی کسی مسئلہ کی وضاحت کرتے، خصوصاً جب مخاطب اہل علم ہوں یا کسی پر نقد کرنا ہو، تا کہ یہ بات اہل علم کے ساتھ خاص رہے۔ مثلاً: (ص:۴۳۶) ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اسے یہاں نقل کرنا باعث طوالت واتعاب ہے۔

شیخ کی عادت ہے کہ فارسی اشعار بھی کثرت سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ شروع میں ایک اقتباس گزرا۔ کتاب خواہ کتنی خشک اور علمی ہو، جملہ کتابوں میں آپ کا طریق کار یہی ہے، اس سے آپ کے ادبی ذوق میں اعلیٰ معیار کا پتہ چلتا ہے، نہ صرف فارسی، بلکہ گاہے عربی اور گاہے اردو، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی اعلیٰ ذوقی تینوں زبانوں میں تھی۔ یہاں ہم اقتباس قصداً نہیں نقل کرتے کہ طوالت ہوگی، اور گزشتہ صفحات میں منقولہ اقتباسات کافی ہیں، نیز اشعار وغیرہ کو بھی اسی قصد سے قلم انداز کرتے ہیں۔

جاری.............

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع الیدین پر مناظرہ

کفایت اللہ سنابلی

امام ابوحنیفہ(المتوفی:۱۵۰ھ) کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ سوسال بعد پیدا ہونے والے" ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی (المتوفی:۳۵۰ھ)" نے کہا:

"حدثنا محمد بن إبراهيم بن زياد الرازي، حدثنا سليمان ابن الشاذكوني، قال: سمعت سفيان بن عيينة يقول: اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحناطين بمكة، فقال الأوزاعي لأبي حنيفة: ما بالكم لا ترفعون أيديكم في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه؟ فقال أبو حنيفة: لأجل أنه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء، فقال: كيف لم يصح وقد حدثني الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن رسول الله ﷺ أنه كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وعند الركوع، وعند الرفع منه، فقال له أبو حنيفة: وحدثنا حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، والأسود، عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله ﷺ كان لا يرفع يديه إلا عند افتتاح الصلاة، ولا يعود لشيء من ذلك، فقال الأوزاعي: أحدثك عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن النبي ﷺ، وتقول: حدثني حماد، عن إبراهيم، فقال له أبو حنيفة: كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس بدون ابن عمر في الفقه، وإن كانت لابن عمر صحبة، فله فضل صحبة، والأسود له فضل كثير، وعبد الله عبد الله، فسكت الأوزاعي".

ترجمہ: "سفیان بن عیینہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہا اللہ مکہ میں ''دار الحناطین'' میں اکٹھا ہوئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ سے کہا: تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ تم لوگ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جواب دیا: اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اس سلسلے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیوں نہیں ثابت ہے جبکہ مجھ سے امام زہری نے بیان کیا، انہوں نے سالم سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کیا کہ: آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اور ہم سے حماد نے بیان کیا، انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا، انہوں

نے علقمہ اوراسود سے نقل کیا، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نماز شروع کرتے وقت ہی رفع الیدین کرتے تھے، اوراس کے بعد ایسا کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: میں تمہیں زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی ﷺ کے طریق سے روایت کررہاہوں اورتم حماد عن ابراھیم کے طریق سے روایت کررہے ہو؟ تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان سے کہا: حماد یہ زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور ابراہیم یہ سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فقہ میں کم نہیں گرچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یہ شرف انہیں حاصل ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔اس کے بعد امام اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہو گئے“

۔[مسندأبي حنيفة للحارثي:۴۸۳/۱،رقم:۷۷۸،ط:المكتبة الإمدادية نیز دیکھیں:جامع المسانيد للخوارزمي :۳۵۲/۱-۳۵۳]

یہ پورا واقعہ جھوٹا ومن گھڑت ہے اور سند اس کی سلسلۃ الکذب ہے، اس کی سند میں کئی جھوٹے راوی ہیں جو اپنے جھوٹے استاذ سے نقل کررہے ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

۞ عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی:

مسند ابوحنیفہ للحارثی اسی بدنصیب کی لکھی ہوئی کتاب ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے دور میں پیدا ہی نہیں ہوا بلکہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد پیدا ہوا اور ”مسند ابوحنیفہ“ نام کی کتاب لکھی جس میں اکاذیب وخرافات کا ایک مجموعہ اکٹھا کردیا۔

یہ شخص جھوٹا وکذاب تھا اور غیر معتبر تھا۔

۞ امام أبوزرعہ احمد بن الحسین الرازي رحمہ اللہ (المتوفی:۳۷۵ھ) نے کہا:

”ضعیف“ ،”یہ ضعیف ہے“۔ [سؤالات حمزة للدارقطني: ص:۲۲۸]

۞ امام ابویعلیٰ الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۴۶ھ) نے کہا:

”يعرف بالأستاذ، له معرفة بهذا الشأن، وهو لين ضعفوه، سمع عبد الصمد بن الفضل البلخي، وأقرانه من شيوخ بلخ وسمع ببخارى، ونيسابور، والعراق، يأتي بأحاديث يخالف فيها، حدثنا عنه الملاحمي، وأحمد بن محمد بن الحسين البصير بعجائب“.

”یہ استاذ کے لقب سے جانا جاتا ہے، اسے حدیث کی جانکاری تھی، لیکن یہ کمزور ہے، اہل فن نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس نے عبدالصمد بن الفضل اوران کے ہم عصر میں بلخ کے مشائخ سے روایات سنیں، اسی طرح بخارا، نیسابور اورعراق میں بھی اس نے روایات سنیں، یہ ایسی احادیث لاتا ہے جن میں دوسری کی مخالفت ہوتی ہے، اس کے واسطہ

سے ہمیں ملاحمی اور احمد بن محمد نے عجیب وغریب روایات بیان کی ہیں“۔[الإرشاد في معرفة علماء الحديث للخليلي:۳/۹۷۱]

۞خطیب بغدادي رحمہ اللہ(المتوفی:۴۶۳ھ)نے کہا: ”وليس بموضع الحجة“.

”یہ اس لائق نہیں کہ اس سے حجت پکڑی جائے“۔[تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۱۰/۱۲۶]

خطیب بغدادي رحمہ اللہ(المتوفی:۴۶۳ھ)نے مزید کہا:

”صاحب عجائب ومناكير وغرائب“.

”یہ عجیب وغریب اور منکر باتیں بیان کرتا ہے“۔[تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۱۰/۱۲۶]

۞امام ابن الجوزي رحمہ اللہ(المتوفی:۵۹۷ھ)نے کہا:

”عبد الله بن محمد بن يعقوب البخاري يروي عن العباس بن حمزة قال أبو سعيد الرواس كان يتهم بوضع الحديث“.

”عبداللہ بن محمد بن یعقوب بخاري یہ عباس بن حمزہ سے روایات بیان کرتا ہے اور ابوسعید الرواس نے کہا کہ یہ حدیث گھڑنے میں متہم تھا“۔[الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي:۲/۱۴۱]

۞امام ذہبی رحمہ اللہ(المتوفی:۷۴۸ھ)نے کہا:

”عبد الله بن محمد بن يعقوب البخاري قال أبو سعيد الرواس يتهم بالوضع“

”عبداللہ بن محمد بن یعقوب کے بارے میں ابوسعید الرواس نے کہا کہ: یہ حدیث گھڑنے کے لیے متہم ہے“[المغني في الضعفاء للذهبي: ص:۳۶]

۞امام ذہبی رحمہ اللہ(المتوفی:۷۴۸ھ)نے کہا:

”عبد الله بن محمد بن يعقوب البخاري الفقيه: يأتي بعجائب واهية“.

”عبداللہ بن محمد بن یعقوب انتہائی بودی قسم کی عجیب وغریب باتیں بیان کرتا ہے“۔[ديوان الضعفاء ص:۲۲۷]

۞امام ذہبی رحمہ اللہ(المتوفی:۷۴۸ھ)نے کہا:

”وقال أحمدالسليماني:كان يضع هذا الإسناد على هذا المتن، وهذا المتن على هذا الإسناد، وهذا ضرب من الوضع“.

”احمد سلیمانی نے کہا کہ: ”یہ شخص ایک سند کو دوسری متن پر فٹ کر دیتا تھا اور دوسرے متن کو کسی اور سند پر فٹ کر دیتا تھا“ امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ چیز بھی حدیث گھڑنے میں شامل ہے“۔[ميزان الاعتدال للذهبي:۲/۴۹۶]

❁ **محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازي:**

حارثی کذاب نے اسی شخص سے مذکورہ واقعہ نقل کیا ہے اور یہ شخص بھی کذاب ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

”محمد بن إبراهيم بن زياد متروك“.

”محمد بن ابراہیم بن زیاد متروک ہے“۔ [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۱/۴۰۶]

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

”قال الدارقطني أيضًا: دجال يضع الحديث“.

”امام دارقطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دجال اور حدیث گھڑنے والا تھا“۔ [لسان الميزان ت أبي غدة:۶/۴۷۴]

❁ خطیب بغدادي رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) نے کہا:

”سألت عنه أبا بكر البرقاني فقال بئس الرجل“.

”میں نے اس کے متعلق ابوبکر برقانی رحمہ اللہ نے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ بہت برا آدمی ہے“۔[تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۱/۴۰۶]

❁ خطیب بغدادي رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) نے اس کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا:

”أراه مما صنعت يداه“.

”میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث کو اسی کے ہاتھوں نے بنایا ہے“۔[تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۱۱/۳۰۵]

❁ **سلیمان بن داؤد الشاذکونی:**

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

”كذاب عدوالله كان يضع الحديث“.

”یہ بہت بڑا جھوٹا اور اللہ کا دشمن ہے یہ حدیث گھڑتا تھا“۔ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۴/۱۱۴]

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

”من نحو عبد الله بن سلمة الأفطس يعني انه يكذب“ .

”یہ عبداللہ بن سلمہ کی طرح ہے یعنی یہ بھی جھوٹ بولتا ہے“۔ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۴/۱۱۴]

۞ امام ابن عدي رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

”عندي ممن يسرق الحديث“.

”میرے نزدیک یہ حدیث چور ہے“۔[الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي:۴/۲۹۹]

۞ **ایک اشکال کا جواب:**

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ”الکامل“ میں اس راوی کے بارے میں امام عبدان بن احمد الاہوزی کا قول نقل کیا ہے کہ:

”معاذ الله أن يتهم الشاذكوني، وإنما كانت كتبه قد ذهبت فكان يحدث حفظا فيغلط“.

”معاذ اللہ کہ شاذکونی پر تہمت لگائی جائے، بلکہ اس کی کتابیں ضائع ہوگئی تھیں، اس لیے وہ حفظ سے روایت کرتا تھا تو غلطی کر جاتا تھا“۔[الكامل لابن عدي طبعة الرشد:۵/۲۹۹]

اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔عرض ہے کہ:

اولاً: امام عبدان کے برخلاف دیگر جن ائمہ حدیث نے جرح کی ہے وہ جرح مفسر ہے نہ جارحین کی تعداد اور ان کا وزن بھی زیادہ ہے لہٰذا ان کے برخلاف امام عبدان کا قول غیر مسموع ہے۔

ثانیاً: امام ابن عدی رحمہ اللہ اس ترجیح میں شاذکونی کو صرف کذب سے بری قرار دیا ہے لیکن اسے ضعیف وسارق الحدیث اور بدکار تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سليمان بن داود المنقري، يعرف بالشاذكوني بصري، يكْنَى أبا أيوب. حافظ ماجن عندي ممن يسرق الحديث“.

”سلیمان بن داود المنقری، جو شاذکونی کے نام سے مشہور ہیں، بصری ہیں، اور ان کی کنیت ابوایوب ہے۔ میرے نزدیک وہ حافظ ہیں مگر ماجن (یعنی فاسق اور بدکار)، اور ان لوگوں میں سے ہیں جو حدیث چراتے ہیں۔“ [الكامل لابن عدي طبعة الرشد:۵/۲۹۸]

معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں گرچہ یہ راوی جھوٹا نہیں مگر ضعیف اور بدکار ہے لہٰذا اس کی روایت معتبر نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کی طرف منسوب یہ مناظرہ جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔

(قسط:۲)

علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کے محاضرات کا تحریری سلسلہ۔محاضرہ نمبر(۳)

برصغیر میں علماء اہل حدیث کی خدمات

مرتب:ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

اب آیئے دوسرے پہلو پر بات کرتے ہیں وہ ہے توحید اور سنت کی طرف دعوت،شرک و بدعت کے خلاف کوشش،اس کا بھی سلسلہ شاہ ولی اللہ سے ہی شروع ہوتا ہے،انہوں نے عقیدہ کی کتاب ''حسن العقیدۃ''(۱) کے نام سے لکھی ہے جو''العقیدہ الحسنہ'' کے نام سے بھی چھپی ہے،اس میں انہوں نے اشعری اور ماتریدی طریقہ چھوڑ دیا اور خالص سلفی طریقہ لکھا ہے،اسی طرح ان کے پوتے شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ نے ایک کتاب عقیدہ کی ایسی لکھی جس پر پورے برصغیر میں ایک طرح سے کہہ لیجئے انقلاب آگیا،انہوں نے''تقویۃ الایمان''(۲) کے نام سے چھوٹی سی ایک کتاب لکھی،جتنے شرک کے مسائل تھے ان سب کا آپریشن کرڈالا،اس کا اتنا اچھا اسلوب اختیار کیا کہ پہلے آیتیں لکھتے ہیں پھر حدیثیں لکھتے ہیں اور پھر تشریح کرتے چلے جاتے ہیں،پھر اس کا فائدہ۔ایسے ہی سمجھیں جیسے کتاب التوحید شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ہے(۳)،وہ بھی پہلے قرآنی آیت پھر حدیث اس کے بعد فوائد بیان کرتے ہیں،جب تک لوگ ان کتابوں کو نہیں پڑھتے ہیں تب تک انہیں لگتا ہے کہ نہ جانے کیا کیا گالیاں اور برا بھلا لوگوں کو ان کتابوں میں کہا ہوگا،لیکن جب پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس میں تو صرف قرآن وحدیث ہی ہے۔تقویۃ الایمان کا سب سے پہلا ایڈیشن سنہ ۱۲۴۲ھ یعنی ان کی شہادت سے چار سال پہلے شائع ہوا تھا،اسی کتاب کی بنیاد پر لوگ انہیں کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو سب کو کافر قرار دیتے ہیں،یہ صرف ایک دو کتابوں کا نام میں نے ذکر کیا،میں نے یہیں ریاض کے اندر ہی کسی لکچر میں کہا تھا کہ اس طرح کی تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں لکھی گئی ہیں،جو کتابیں عربی،اردو اور فارسی میں بھی ہیں،ان کے ذریعہ سے عقائد کے اصلاح کا کام ہوا۔

پھر شاہ اسماعیل نے اس کتاب کے لکھنے کے ساتھ ساتھ سید احمد شہید کے ساتھ مل کر کے ایک ایسی تحریک چلائی کہ جس کو''تحریک شہیدین'' کے نام سے جانا جاتا ہے،تحریک شہیدین دو چیزوں سے عبارت ہے،ایک ہے توحید و سنت کی طرف دعوت دوسرا جہاد(غیر مسلموں سے جہاد،غیر مسلم اس زمانہ میں سکھ تھے اور انگریز تھے)۔(۴)

شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے اپنے بہت سے داعی پورے ہندوستان کے طول وعرض میں بھیجے،مولانا ولایت علی صادق پوری کو بنگال بھیج دیا،مولانا محمد علی رامپوری کو مدراس بھیج دیا،بہرحال جس کو جہاں بھیجا اس نے وہاں پر توحید و

سنت کا کام کیا، اور الحمدللہ ان لوگوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ بدعات وخرافات سے تائب ہوئے، اسی طرح بہت سے رسوم ورواج بھی جو غیر مسلموں سے شادی بیاہ کے اندر آ گئے تھے ان کی بھی اصلاح ہوئی، ایک مثال دیتا ہوں، بیوہ عورتوں کی شادی کا کوئی تصور ہندوؤں کے اندر نہیں تھا، اب جن لوگوں نے اختیار کیا ہے وہ مسلمانوں سے متاثر ہو کر اختیار کیا ہے، تو اس چیز کو بھی رواج دینے کا کام تحریک شہیدین نے کیا، اب مخالفین کی طرف سے ان پر حملہ شروع ہوا اور لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ جن چیزوں کو بدعت قرار دیتے ہیں وہ سب سنت ہیں، ان میں ایک بڑے مشہور عالم ہیں بدعتیوں کے مولانا فضل رسول بدایونی (ت: ۱۲۸۹ھ) (۵) انہوں نے ان کے رد میں کئی ایک کتابیں فارسی وغیرہ میں لکھیں، (۶)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جیسے ایک مقولہ ہے ہر فرعونے راموسی، تو اللہ تعالیٰ نے انہی کے زمانہ میں پیدا کیا مولانا بشیر الدین قنوجی رحمہ اللہ (۱۲۹۶ھ)، مولانا صدیق حسن صاحب کے یہاں بھوپال میں یہ قاضی بھی تھے، انہوں نے ان کی ایک ایک کتاب کا منہ توڑ جواب دیا، تقریباً چار پانچ کتابیں انہوں نے لکھیں، اس زمانہ میں اہل بدعت اور شرک میں مبتلا لوگوں نے شاہ اسماعیل کے رد میں یعنی تقویۃ الایمان کے رد میں کتابیں لکھیں۔ لیکن الحمدللہ مولانا بشیر الدین قنوجی کی تصانیف سے حقیقت کھلی، اسی تیرہویں صدی ہجری میں ابھی ہم ہیں، قاضی بشیر الدین قنوجی اس زمانہ کی ایک بڑی شخصیت تھی (۷)، ان کے علاوہ بھی مولانا خرم علی بلہوری (۱۲۷۳ھ) (۸) کی کتاب نصیحۃ المسلمین ہے، جس کے اندر انہوں نے بڑے بہترین انداز میں بدعت کی تردید کی ہے۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ان کے والد مولانا اولاد حسن قنوجی تھے، انہوں نے ایک کتاب "ہدایت المسلمین" کے نام سے لکھی، جس کے اندر تمام طرح کے خرافات پر انہوں نے رد کیا ہے۔ اس طرح بیسیوں عالم تیرہویں صدی ہجری کے اندر ملتے ہیں اور انہوں نے عقیدہ کے موضوع پر کتابیں لکھیں اور وہ کتابیں چھپی بھی ہیں۔ حارق الاشرار کے نام سے ایک بہترین نظم ہے جس میں تمام طرح کے بدعات پر رد ہے۔ (۹)

نواب صدیق حسن جو اس زمانہ کی بڑی عہد ساز شخصیت، اور کوئی بھی برصغیر کی تاریخ لکھے، حدیث کی تاریخ لکھے، اصلاح وتجدید کی تاریخ لکھے، نواب صاحب کا نام نظر انداز نہیں کر سکتا ہے۔ چاہے وہ عربی کے اندر ہو، فارسی کے اندر ہو، چاہے اردو کے اندر ہو، یا اسی طرح علم حدیث کے نشر واشاعت کے تعلق سے ہو ان تمام پہلوؤں پر ان کے کارنامے اتنے زیادہ ہیں کہ جیسے میاں صاحب نے ۱۲۵۸ھ سے لے کر ۱۳۲۰ھ تک یعنی ۶۲ سال حدیث کا درس دیا، اسی طرح نواب صاحب نے تقریباً ۲۰ سال کا عرصہ پایا تھا، بھوپال میں وہ گئے تھے ملازمت کرنے کے لیے اور وہ شادی شدہ تھے، وہاں وہ پوری ایمانداری کے ساتھ حکومت کا جتنا کام تھا وہ کرتے تھے، بعد میں نواب شاہ جہاں بیگم جو بیوہ ہو گئی تھیں، جو وہاں کی ملکہ تھیں، تو انہوں نے سوچا کہ بہت سارے امور میں مردوں کی ضرورت پڑتی

ہے، جس میں ان سے مشورہ کرنا ہوتا ہے، تو انہوں نے خود خواہش ظاہر کی نواب صاحب سے شادی کرنے کی، نواب صاحب نے پہلے تو انکار کیا، لیکن بہت اصرار کے بعد کہ ہم آپ کو بے حد معتمد پاتے ہیں، ملکہ بھوپال نے کہا کہ ہم ریاست میں امن وامان چاہتے ہیں اور علمی اعتبار سے بھی اسے آگے لے جانا چاہتے ہیں ۔تو آخر میں انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا اور پھر شادی کر لی، یہ شادی نواب شاہ جہاں کی طلب اور ان کی رضامندی پر ہوئی تھی ۔ (یہاں پر ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نواب صاحب نے پیغامِ نکاح بھیجا تھا، ان کی یہ بات بے بنیاد ہے، خود لوگوں کو شاہجہاں بیگم کی کتاب ''تاج الاقبال'' کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے سید نواب صاحب سے نکاح کے اسباب ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی سترہ سالہ خدمات جلیلہ، ان کی وفاداری، خلوص، جانفشانی، اعلیٰ قابلیت اور دیانت داری اور بیگم کی والدہ کی اظہار پسندیدگی، دینی خدمات اور حسب ونسب وغیرہ تھے)۔(آفاق احمد سنابلی)

بہر حال نواب صاحب نے شادی کی، اور سوچیں انسان کے پاس جب دولت آتی ہے تو وہ اپنے اوپر، بچوں پر اور زمین وغیرہ خریدنے میں صرف کرتا ہے، نواب صاحب نے کیا کیا، اپنی پوری دولت کو چونکہ وہ بڑے منصب پر تھے، اور ملکہ کے شوہر بھی، اسی طرح حکومت کا جو مد تھا اس کو انہوں نے کئی طرح کے کاموں میں لگایا، سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اس وقت کے بڑے بڑے جو علماء اور فضلاء تھے سب کو بھوپال میں جمع کیا، (۱۰) حدیث کے بہت بڑے عالم جس طرح میاں نذیر حسین محدث دہلوی تھے، اسی طرح یمن سے آئے ہوئے ایک عالم تھے حسین بن محسن الیمانی (۱۳۲۷ھ) (۱۱) وہ شوکانی کے ایک واسطہ سے شاگرد ہیں، تو نواب صاحب نے ان کو وہیں رکھ لیا تھا اور کہا کہ یہیں درس دیجئے، آج سے سو سال ڈیڑھ سال پہلے جس کے بھی حالات دیکھیں گے اس نے یا تو حدیث میاں صاحب سے پڑھی یا پھر حسین بن محسن الیمانی سے پڑھی، اس وجہ سے کہ یہی دونوں اس زمانہ میں حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے معاملہ میں بہت معروف تھے، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اعظم گڑھ (۱۲) کے علاقہ کے تھے ان کو بلایا، قاضی بشیر الدین قنوجی، جب تک زندہ رہے وہیں پر رہے، ان کی وفات کے بعد قاضی شیخ محمد بن عبد العزیز مچھلی شہری (۱۳) یہ بھی بہت بڑے محدث اور عالم تھے، مولانا محمد بشیر شہسوانی، گویا کہ انہوں نے ایک بڑا علمی مجمع بنا لیا تھا۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ برصغیر کے اندر اصلاحی تحریک کی شروعات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ہوتی ہے، مولانا مسعود عالم ندوی کی ایک کتاب ہے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، (۱۴) اس کی شروعات انہوں نے یہیں سے کیا، برصغیر میں جو کچھ اصلاحی کام آپ دیکھ رہے ہیں، جو بھی توحید وسنت کے نظارے دیکھ رہے ہیں، یہ سب

صرف تحریک شہدین کی دین ہے،اسی کے اثرات ہیں جو ابھی تک چلے آرہے ہیں۔اس لیے اس تحریک سے متعلق اور اس کی ہمہ گیر خدمات پر بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوسکتی ہے۔اس تحریک کو بڑے بڑے محققین نے داد وتحسین دی ہے ،مولانا غلام رسول مہر(۱۵) نے چار جلدوں میں اس حوالہ سے کتاب لکھی،دو جلد سید احمد شہید کے نام سے اور دو جلدوں میں جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین کے نام سے،ایک ڈاکٹر قیام الدین کے نام سے پٹنہ کے اندر وہابی مومنٹ (۱۶) کے نام سے انہوں نے کتاب لکھی،یہ سارے وہابی ہیں جن کو بدنام کیا جارہا ہے،غیر مقلد اور لامذہب کہا جارہا ہے،یہ سارا اصلاحی کام انہی کے ذریعہ سے ہوا ہے۔عقیدہ اور سنت کی طرف کھل کر کے لوگوں کی رہنمائی کی ہے۔

بہر حال میں پہنچا تھا نواب صدیق حسن خاں قنوجی تک،انہوں نے بھوپال کے اندر علمی مجلس جمائی،علماء فضلاء کو جمع کیا،اس کے بعد انہوں نے منصوبہ بندی کے ساتھ چار پانچ میدان میں کام کیا،پہلا میدان یہ کہ انہوں نے حدیث کی کتابوں کے ترجمہ پر لوگوں کو لگا دیا،مولانا وحید الزماں حیدرآبادی،کتب ستہ اور دیگر کتابوں کے ترجمہ انہوں نے کرائے،دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ حدیث کی کتابوں کے حفظ کے مقابلہ کروائے،کئی لوگوں نے حدیث کی کتابیں حفظ کیں،صحیح بخاری تک لوگوں نے حفظ کرلیا،بلوغ المرام کسی نے حفظ کیا،مشکوٰۃ کسی نے حفظ کرلیا،ایک مشہور اور نابینا عالم تھے مولانا عبدالتواب علیگڑھی انہوں نے صحیح بخاری حفظ کرلیا،اسی طرح اس پر انعام بھی اچھا خاصا رکھا،تیسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ حدیث کی کتابوں کی طباعت،چنانچہ پوری دنیا میں سب سے پہلے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کو انہوں نے مطبع دولاب مصر سے اپنے ذاتی خرچہ پر چھپوایا،اور ہندوستان میں پھر اس کا الگ ایڈیشن چھپوایا جو لیتھو پر چھپا تھا،عرب میں بھی چھپوایا،آج تک سب سے صحیح ایڈیشن وہی ہے،،انہوں نے پورے برصغیر کے اندر جتنی بھی کتابیں چھپوائیں چاہے وہ فتح الباری ہو یا تفسیر ابن کثیر ہو یا پھر نیل الاوطار ہو،معالم التزیل بغوی کی ہو،اپنی تفسیر فتح البیان چھپوائی،جس طرح سے دارالافتاء ریاض یا پھر وزارہ الشؤن الاسلامیہ سے کتابیں پیکٹ میں پیک کرکے چھپوائیں جاتی ہیں اور اداروں،ملکوں وغیرہ میں بھجوائی جاتی ہیں،وہاں سے وہ سارے ادارں کے نام بلاتفریق مسلک وملت سب کو کتابیں بھیجی جاتی ہیں،لیکن بدقسمت کچھ ایسے تھے جو ان کی کتابیں واپس کردیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے وہابیت ہمارے یہاں پھیلے گی،یہ تفسیر کی کتابیں،فقہ کی کتابیں ہم نہیں لیں گے۔میں نے خود اس طرح کا واقعہ مکہ میں دیکھا ہے،ایک صاحب کے ساتھ میں ایک صاحب کے گھر گیا اور گفتگو چلی اور میرے ساتھ جو تھے وہ کچھ کتابیں ان کو ہدیۃً دینے کے لیے لے کر کے گئے تھے،جو بیٹھے تھے انہوں نے تو وہ کتاب لے لی اور جب ہم واپس ہونے لگے تو اندر سے ایک خاتون کی آواز آئی کہ دیکھو جو کتاب دے کر گئے ہیں وہ مت لینا۔

چوتھا کام انہوں نے یہ کیا کہ بھوپال کے اندر جتنے ادارے تھے ان سب کی تنظیم و ترتیب، اسلامی عدالت انہوں نے قائم کیا، جہاں پر قاضی بشیر الدین، قاضی محمد مچھلی شہری وغیرہ متعین تھے، اس کے علاوہ ایک بڑا کام انہوں نے یہ کیا کہ بہت سے پریس انہوں نے خود لگوائے اور بہت سے پریس لوگوں کو پیسہ دے کر کے لگوائے، مطبع صدیقی بھوپال میں، مطبع شاہ جہانی بھوپال میں، مولانا سعید بنارسی جو بنارس کے رہنے والے تھے، ان کو بنارس میں مطبع قائم کرنے کے لیے پیسہ دیا، پھر اپنی کتابیں انہوں نے مصر، ترکی اور ہندوستان وغیرہ میں چھپوائیں، ان کی کتابوں کی صحیح تعداد تین سو کے قریب ہے، لوگ جو دو سو کے قریب بتاتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ انہوں نے اردو، فارسی اور اردو وغیرہ میں کتابیں لکھیں۔ ان کی تصنیف و تالیف کا ایک بڑا سلسلہ ہے، کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر انہوں نے کچھ لکھا نہ ہو۔ ان کی بڑی مشہور کتاب ہے ''الدین الخالص'' کے نام سے، اس کے اندر انہوں نے ساری بدعات و خرافات کا پوسٹ مارٹم کر کے رکھ دیا ہے۔ اور وہ کتاب انہوں نے اپنے نام سے نہیں چھاپی، ہاں بعد میں لوگوں کو جب معلوم ہوا تو ان کا نام لکھنا شروع کیا، اور اسی کتاب میں پوری دنیا میں سب سے پہلی بار ابن تیمیہ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں چھپی تھی۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں یہ کتاب دو جلدوں میں چھپی ہے۔

حواشی: ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

1- حسن العقيدة رسالة مختصرة له في العقائد العربية. العقيدة الحسنة المعروف به "عقائد اسلام". اردو ترجمہ: خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری۔ دوسرا اردو ترجمہ عبد الحمید سواتی نے کیا ہے۔ یہ رسالہ کئی مختلف ناموں سے معروف ہے، جیسا کہ اوپر سے ظاہر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کی عقیدہ کے باب میں ایک اور کتاب ہے " تحفة الموحدين"، اس زمانہ میں جو بھی لوگوں میں اعتقادی خرابیاں تھیں، شرک کی جو قسمیں تھیں، ان تمام کا رَد اس کتاب کے اندر کیا گیا ہے۔

۲۔ تقویۃ الایمان کی اولین طباعت: اس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۴۲ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ (علامہ شمس الحق عظیم آبادی حیات وخدمات از علامہ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ ص: ۲۶)

''اصلاً یہ کتاب عربی میں ''رد الاشراک'' کے نام سے لکھی گئی تھی، اس کے دو ابواب تھے، پہلے باب میں توحید اور شرک کا بیان تھا جبکہ دوسرے باب میں اتباع سنت اور اجتناب بدعت کے مباحث تھے۔ عربی کتاب مختصر ہے، اس میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کو مختلف موضوعات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ شاہ اسماعیل نے کتاب کے باب اول کو اردو زبان میں تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ منتقل کیا اور کتاب کے دوسرے باب کو اردو جامہ ''تذکیر الاخوان'' کے نام سے ان کے

شاگرد مولانا محمد سلطان نے پہنایا ہے۔اصل عربی کتاب ''ردالاشراک جماعت اہل حدیث کی محبوب شخصیت اور ہمارے محترم فاضل دوست شیخ عزیر شمس (۱۹۵۷ء۔۲۰۲۲ء) کی تحقیق وتخریج کے ساتھ ۱۹۸۳ء میں المکتبہ السّلفیہ، لاہور سے شائع ہو چکی ہے''۔رفیق رئیس سلفی حفظہ اللہ کے مضمون سے مستفاد، دی فری لانسر پر یہ مضمون موجود ہے)۔

علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی اس کتاب کے تعلق سے لکھتے ہیں: ''یوں سمجھئے کہ تقویۃ الایمان کی انبیائی دعوت توحید نے کلکتہ سے پشاور اور شمالی ہند سے جنوبی ہند کے ایوان ہائے بدعت میں تزلزل پیدا کردیا تھا اور جب مشرکانہ رسوم ورواج کے صدیوں پرانے قلعوں میں شگاف پڑنے شروع ہوگئے تو یونانی منطق کی نظریاتی بحثوں میں مگن خانقاہی تصوف کے اجارہ دار اور تقلید جامد میں سرشار اصحاب جبہ ودستار موحدانہ اثرات ونتائج سے تلملا اٹھے اور ایک طوفان بدتمیزی برپا کردیا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ حضرات تقویۃ الایمان کے بیان اور توحید خالص کو یا تو سمجھ نہ سکے یا پھر کسی اندرون نفس کی مخفی شرارت یا کسی سازش کا شکار ہو گئے''۔(اکمل البیان: ص: ۱۴)

ایک سرسری اندازے کے مطابق چالیس پچاس لاکھ سے کم نہ چھپی ہوگی۔کروڑوں آدمیوں نے اسے پڑھا اور ہدایت کی روشنی حاصل کی۔بقول غلام رسول مہر (م ۱۹۷۱ء) ''یہ ایسا شرف ہے جو تقویۃ الایمان کے سوا اردو کی کسی دوسری کتاب کو شاید ہی نصیب ہوا ہو''۔(مقدمہ تقویۃ الایمان، ص:۱۶، لاہور ۱۹۷۴ء)

اس کتاب کی تصنیف کے بعد شرک وبدعات کے داعیان حیران وپریشان ہوئے اور اس کتاب کو کسی بھی طرح سے عوام الناس کے یہاں حاصل ہونے والے اعتماد کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور انہوں نے لگادیا۔خاص طور پر علماء بدایوں اور بریلی قابل ذکر ہیں۔اور ایک دو نہیں کئی ایک کتابیں اس کے رد میں لکھیں جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

تقویۃ الایمان پر رد: تقویۃ الایمان پر اعتراضات مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی مرحوم (۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کو بھی تھے مثلاً وہ جو بعد میں "امتناع النظیر لحضرة خاتم النبيين عليه السلام و التسليم" (فارسی) عنوان پا گیا۔جس کا جواب خود مولانا شہید ہی نے قلم برداشتہ لکھ دیا تھا اور یہ جواب ''یک روزی''(شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے ایک ہی دن میں اس کا جواب تیار کردیا تھا، اس وجہ سے اس کا نام یک روزی رکھا گیا۔) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔غالباً اس کے بعد مولانا فضل حق خیرآبادی موصوف نے "تحقيق الفتوى فى ابطال الطغوى" (ترجمہ وتحقیق: محمد عبدالحکیم شرف قادری، صفحات: ۴۴۰) کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس کا جواب مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی متوفی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) نے تحریر فرمایا۔

مراد آباد میں ایک مفتی مولوی نعیم الدین صاحب تھے، وہ بھی اس کتاب کو تفویت الایمان کے نام سے پکارا کرتے

تھے۔انہوں نے تقویۃ الایمان کے رد میں جو کتاب لکھی اس کا نام" اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان" رکھا۔

تقویۃ الایمان کی مخالف برائے مخالفت کی شروعات بدایوں کے ایک صاحب مولوی فضل رسول صاحب کے سر بندھتا ہے۔

ردتقویۃ الایمان سے متعلق اہم تاریخی دستاویز از خلیفہ حضور مفتی اعظم علامہ بدرالدین صاحب قبلہ رضوی۔اس کے اندر کئی ایک ان کتابوں کو جمع کر دیا گیا جو تقویۃ الایمان کے رد میں لکھی گئی ہیں۔نیٹ پر یہ کتاب موجود ہے۔

تقویۃ الایمان بمقابلہ عظمت قرآن از مفتی عبدالوہاب خاں

مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان از حضرت زید ابوالحسن فاروقی مجددی

تقویۃ الایمان میں تحریف کیوں از مولانا محمد علی رضا قادری برکاتی

تجلیات غفوریہ ترجمہ احقاق الحق از حضرت علامہ میاں نصیر الدین احمد مترجم میاں ظاہر شاہ قادری۔

تنزیۃ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب والنقصان، مولانا احمد حسن کانپوری۔وکیپیڈیا میں تو اس کتاب کا ذکر تقویۃ الایمان کے رد میں لکھی جانے والی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس کتاب کو پڑھ کر کے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس کے رد میں نہیں لکھی گئی ہے، ایسا بھی ممکن ہے کہ تقویۃ الایمان کے کسی ایک مسئلہ کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

الصمصام القاضب لراس المفترى على الله الكذب. مولانا حکیم سید برکات احمد،ٹونکی

عجالة الراكب في امتناع كذب الواجب. مفتی محمد عبداللہ ٹونکی

تزكية الإيقان برد تقوية الإيمان للشيخ نقي علي البريلوي. نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر . الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام.(۱۱۲۶/۷۔۱۱۲۷)

إزالة الشكوك والأوهام رداً على تقوية الإيمان، السيد فخر الدين الإله آبادي المعروف بحكيم بادشاه. نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر.الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام. (۱۳۲۵/۸)

تقویۃ الایمان پر ردود کے جوابات:

"اطیب البیان رد تقویۃ الایمان" از صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا جواب بنام "اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان"، عزیز الدین مرادآبادی، اہل حدیث نے دیا ہے۔یہ کتاب انہوں نے مولانا ثناءاللہ امرتسری کے ایماء پر لکھا تھا۔

دوسری کتاب "فیض الرحمٰن لتائید تقویۃ الایمان" لکھی گئی۔مؤلف: مولانا محمد داؤد راز رحمہ اللہ علیہ، سال اشاعت ۱۳۸۴ھ، ناشر: ادارہ اشاعت دین اجمیری گیٹ دہلی، صفحات: ۴۸

تقویۃ الایمان کی تحقیق:

(۱) تقویۃ الایمان، تحقیق شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

(۲) تسہیل وتدوین تقویۃ الایمان: ابوالمرجان فیضی۔ مراجعہ ،دکتور سلمان احمد سراج احمد

تقویۃ الایمان کے عربی اور دیگر زبانوں میں تراجم:

تقویۃ الایمان کا اولین عربی ترجمہ جامعہ سلفیہ کے سابق شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبدالوحید رحمانی (ت: ۱۹۹۷ء) نے کیا، اس کے کچھ سالوں بعد دوسرا ترجمہ حضرت ابوالحسن علی ندوی (ت: ۱۹۹۹ء) نے انجام دیا، محترم ڈاکٹر عبدالاحد بنارسی مدنی حفظہ اللہ نے نئے پیرہن میں تحقیق کے ساتھ مولانا رحمانی کا ترجمہ عالم عرب سے شائع کیا۔ (تقویۃ الایمان کے دو عربی ترجمہ، مولانا محفوظ الرحمٰن کے مضمون سے مستفاد، ص: ۲۷ آگہی جلد نمبر ا شمارہ نمبر ۲، اپریل مئی جون ۲۰۲۵ء)۔

۳۔ کتاب التوحید پر تفصیلی طور پر کسی دوسرے موقع پر گفتگو کریں گے، فی الحال اس بے نظیر کتاب کے تعلق سے ایک حوالہ واقعہ ذکر کرتا ہوں جس سے یہ حقیقت واشگاف ہوگی کہ انسان جب تک ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتا ہے کس قدر تعصب کے سبب ان سے نفرت اس کے دل میں بیٹھی رہتی ہے۔

قصة عجيبة بكتاب التوحيد لشيخ الإسلام محمد بن عبد الوهاب:

وأَنا أَقص الآن قصة عبد الرحمن البكري من أَهل نجد- كان أَولا من طلاب العلم على العم الشيخ عبد الله (۱) وغيره، ثم بدا له أَن يفتح مدرسة في عمان يعلم فيها التوحيد من كسبه الخاص فإذا فرغ ما في يده أخذ بضاعة (۲) من أَحد وسافر إلى الهند وربما أخذ نصف سنة في الهند. قال الشيخ البكري: كنت بجوار مسجد في الهند وكان فيه مدرس إذا فرغ من تدريسه لعنوا ابن عبد الوهاب، وإذا خرجمن المسجد مر بي وقال: أَنا أُجيد العربية لكن أحب أَن أَسمعها من أَهلها، ويشرب من عندي ماءً باردًا. فأَهمني ما يفعل في درسه، قال: فاحتلت بأَن دعوته وأَخذت ((كتاب التوحيد)) (۳) ونزعت ديباجته ووضعته على رف في منزلي قبل مجيئه، فلما حضر قلت: أَتأْذن لي أَن آتي ببطيخة. فذهبت، فلما رجعت إذا هو يقرأُ ويهز رأْسه فقال: لمن هذا الكتاب؟ هذه التراجم (۴) شبه تراجم البخاري هذا والله نفس البخاري؟! فقلت لا أدري، ثم قلت أَلا نذهب للشيخ الغزوي لنسأَله -وكان صاحب مكتبة وله رد على جامع البيان- فدخلنا عليه فقلت للغزوي كان عندي أَوراق سأَلني الشيخ من هي له؟ فلم

أَعرف، ففهم الغزوي المراد، فنادى من يأْتي بكتاب ((مجموعة التوحيد)) فأُتي بها فقابل بينهما فقال هذا لمحمد بن عبد الوهاب. فقال العالم الهندي مغضبًا وبصوت عال: الكافر. فسكتنا وسكت قليلاً. ثم هدأَ غضبه فاسترجع. ثم قال: إن كان هذا الكتاب له فقد ظلمناه. ثم إنه صار كل يوم يدعو له ويدعوا معه تلاميذه وتفرق تلاميذ له في الهند وإذا فرغوا من القراءة دعوا جميعًا للشيخ ابن عبد الوهاب. اھ۔(فتاویٰ ورسائل سماحۃ الشیخ محمد بن إبراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ،ج:۱ص:۷۵۔۷۶)

(۱)ابن عبداللطیف آل الشیخ۔(۲)مال یتجر فیہ ببعض ربہ۔(۳)الذي ھو حق اللّٰہ علی العبد۔(۴)العناوین۔

ترجمہ: نجد کے ایک تاجر عبدالرحمٰن البکری تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے ہیں،تقریباً نصف سال تک ہندوستان میں ان کا قیام رہتا ہے۔شیخ عبدالرحمٰن البکری کہتے ہیں کہ جس جگہ میں ٹھہرا تھا وہاں بغل میں ایک مسجد تھی۔اور اس مسجد میں ایک شیخ درس دیتے تھے،جب وہ اپنے درس سے فارغ ہوتے تو شیخ اور تلامذہ ایک ساتھ مل کر''شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب''پر لعنت بھیجتے تھے۔

عبدالرحمٰن البکری کہتے ہیں شیخ جب مسجد سے نکلتے تو ان کا گزر میرے پاس سے ہوتا اور وہ مجھ سے گویا ہوتے کہ مجھے عربی اچھے سے آتی ہے لیکن میں عربی اہل زبان سے سننا چاہتا ہوں،پھر وہ میرے پاس بیٹھ کر ٹھنڈا پانی پیتے۔

عبدالرحمٰن البکری کہتے ہیں کہ''شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب''کے ساتھ ان کے اس سلوک کے سبب میں مغموم و بے چین تھا۔چنانچہ میں نے ایک حیلہ کے ذریعہ انہیں بلایا اور''کتاب التوحید''کا غلاف پھاڑ کر ان کے آنے سے پہلے اپنے گھر کی الماری میں رکھ دیا۔چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو میں نے ان سے کہا مجھے ذرا اجازت دیں میں آپ کے لیے تربوزہ لے کر آتا ہوں۔جب میں تربوزہ لے کر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ''کتاب التوحید''کا مطالعہ کر رہے ہیں اور سر دھن رہے ہیں۔اس کے بعد وہ سوالیہ انداز میں مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی کتاب ہے؟اس کتاب کے تراجم تو صحیح بخاری میں موجود کتاب التوحید کے تراجم کے مشابہ ہیں۔عبدالرحمٰن البکری جواباً کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم ہے۔پھر عرض کرتے ہیں کہ کیوں نہ ہم شیخ غزوی کے پاس چلیں جن کے پاس لائبریری ہے اور انہوں نے جامع البیان پر رد بھی لکھا ہے۔چنانچہ ہم غزوی کے پاس گئے اور ہمارے پاس جو اوراق تھے اسے ہم نے انہیں دکھایا اور ان سے کہا کہ یہ شیخ اس کتاب کے مؤلف کو جاننا چاہتے ہیں؟عبدالرحمٰن البکری کہتے ہیں کہ غزوی میری مراد خوب سمجھ رہے تھے چنانچہ غزوی''کتاب التوحید''منگواتے ہیں اور دونوں کو ملانے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ تو''شیخ

الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ'' کی کتاب ''کتاب التوحید'' ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شیخ چراغ پا ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''کافر''۔ان کے کہنے کا مطلب تھا کہ اتنی عمدہ کتاب اس کافر شخص نے لکھی ہے۔

عبدالرحمٰن البکری بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کے اس رویہ پر خاموش رہے اور وہ بھی تھوڑی دیر بعد غصہ ٹھنڈا ہوجانے کے بعد خاموش ہوجاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ''اگر واقعتاً یہ کتاب انہیں کی لکھی ہوئی ہے تو میں نے ان پر ظلم کیا ہے۔ پھر اس دن کے بعد سے وہ شیخ اور ان کے تلامذہ ایک ساتھ روزانہ درس سے فراغت کے بعد شیخ الاسلام کے لیے دعا کا اہتمام کرتے تھے۔(فتاویٰ ورسائل سماحۃ الشیخ محمد بن إبراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ رج:۱رص:۷۵۔۷۶)

(۴) غلام رسول مہر نے اس تعلق سے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔(۱) سید احمد شہید (۲) جماعت مجاہدین (۳) سرگزشت مجاہدین (۴) ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔

(۵) ان کی ایک کتاب ہے سیف الجبار، اس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے ''ہندوستان میں فتنہ نجدیہ واسماعیلیہ کی تفصیلی تردید پر مشتمل تیرہویں صدی ہجری کی ایک شاہکار اور مشہور زمانہ تصنیف''۔

(۶) انہوں نے شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل اور تقویۃ الایمان وغیرہ کو اپنے ردوقدح کا ہدف بنایا۔ اور اس دل پسند موضوع پر متعدد کتابیں لکھی جن کے ناموں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے اندر کیا کچھ ہوگا، تصحیح المسائل در تردید مسائل نجدیہ اراذل، البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ملقب بہ سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان۔سیف الجبار علی الاعداء للابرار ۔احقاق الحق و ابطال الباطل، مقولات عشر وغیرہ۔ ان تمام کتابوں میں " البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ملقب بہ سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان'' تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف پر رد ہے۔ لیکن الحمدللہ جو بھی اعتراضات اس عظیم کتاب کے تعلق سے کئے گئے سبھوں کا جواب تقریبا علماء اہل حدیث نے دیا ہے۔

(۷) قاضی بشیر الدین قنوجی کی مفصل سیرت کے لیے رجوع کریں۔

غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد از شمس الحق عظیم آبادی ص:۵۵۔۵۶ رو حققه محمد عزیر شمس و ابو القاسم الاعظمي، المجمع العلمي کراچی۔ نزہۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر (۷؍۹۳۶)، فقہائے پاک وہند تیرہویں صدی ہجری از محمد اسحاق بھٹی: ص: ۱۴۵، دبستان حدیث از اسحاق بھٹی: صفحہ ۱۱۷، تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: ص: ۳۲۹، (اسی تراجم علماء اہلحدیث ہند میں اولاد حسن قنوجی کے تعلق سے بھی پڑھ سکتے ہیں)۔

انہوں نے جواب مولانا فضل رسول بدایونی کی لکھی گئی کتاب ''البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ملقب بہ سوط

الرحمٰن علی قرن الشیطان'' کا جواب ''الصواعق الالھیۃ لرد الشیاطین'' کے نام سے دیا۔

(۸) یہ مفید رسالہ مؤلف نے ۱۲۲۸ھ میں تحریر فرمایا۔ (نصیحۃ المسلمین: ص: ۷)۔

(۹) حارق الاشرار جناب فتح اللہ مرحوم کی ہے۔

(۱۰) علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ: ''بھوپال ایک زمانہ میں علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے''۔ (تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۳۶ ''مقدمہ'')۔

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''علوم عقلیہ کے امام مولانا قاضی بشیر الدین قنوجی، علامہ محمد بشیر شہسوانی، مولانا سلامت اللہ صاحب جیراج پوری، مولانا مظہر حسین اعظمی، قاضی محمد مچھلی شہری وغیرہم دسیوں علماء تھے جو بھوپال میں نواب صاحب رحمہ اللہ کے سایہ شفقت میں کتاب وسنت اور دوسرے علوم اسلامیہ کی تدریسی، تصنیفی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے تھے اور صرف بھوپال ہی میں نہیں بلکہ باہر بھی مولانا محمد سعید محدث کنجاہی ثم بنارسی، مولانا محمد علی ابوالمکارم مئوی، نواب وحید الزماں خاں، مولانا عبدالوہاب نابینا وغیرہم کو نواب صاحب ماہانہ وظائف سے نوازتے تھے، تاکہ یہ لوگ علم عقیدہ کی شمع فروزاں رکھ سکیں۔ (مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی: ج: ۳ ص: ۱۹)

(۱۱) علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری، حدیدی، یمانی (المتوفی: ۱۳۲۷ھ) نواب صاحب کے استاذ تھے اور ہندوستان کے تقریباً تمام جلیل القدر محدثین نے آپ سے سند تحدیث واجازہ لی، خدمت علم کی خاطر آپ نے اپنا اصلی وطن یمن چھوڑ کر بھوپال کو دوسرا وطن بنالیا اور اپنی پوری زندگی تدریس وتحدیث اور افتاء وتحقیق میں گزاردی۔ (مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ج ۳ ص: ۲۰)

آپ کی سوانح کے لیے دیکھئے: نور العينين في فتاوى الشيخ حسين ، ، مقدمة تحفة الأحوذي ، نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر(۱۲۱۲/۸). مقدمة غاية المقصود في شرح سنن أبي داؤد: ص:۶۸،۶۹،۷۰) (کاروان حدیث عبدالرشید عراقی: ص: ۳۵۶)

(۱۲) ان کی سیرت پڑھنے کے لیے رجوع کریں۔ تذکرہ علماء اعظم گڑھ مؤلف، حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ، ص: ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶) نزہۃ الخواطر، تراجم علماء اہل حدیث ص: ۸۸، تذکرہ علماء حال) گلستان حدیث، اسحاق بھٹی: ص: ۱۰۲)۔

(۱۳) ان کی سیرت کے لیے رجوع کریں۔ تذکرۃ المحدثین عبدالرشید عراقی ص: ۵۶۔ نزہۃ الخواطر۔ تراجم علمائے حدیث ہند: ص: ۳۷۷

(۱۴) مسعود عالم ندوی برصغیر کے نامور مؤرخ اور ادیب گزرے ہیں، یہ علامہ تقی الدین کے کامیاب اور نمایاں شاگردوں میں سے ہیں، اصلاً یہ اہل حدیث تھے، ندوہ میں تعلیم کے سبب ندویت کی جھلک کہیں نہ کہیں نظر آجاتی تھی، کئی علمی کتابوں کے مؤلف ہیں، جماعت اسلامی سے بھی ان کی وابستگی رہی ہے، دارالعروبة للدعوة الاسلامية کے ذریعہ مودودی کی کتابوں کی چندایک کتابوں کا ترجمہ کر کے عرب دنیا میں تعارف کرایا، بعد میں اس جماعت سے انہوں نے برأت کا اظہار کیا تھا یا نہیں اللہ اعلم۔ آپ کی مشہور کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ تاثیرالاسلام فی الشعر العربی، تاریخ الدعوہ الاسلامیہ فی الہند، حاضر مسلمی الہند وغابرہم وغیرہ۔ اردو میں شیخ محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم داعی و مصلح، اشتراکیت اور اسلام، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک اور مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر وغیرہ۔ تفصیلی سیرت کے لیے دیکھیں: مولانا مسعود عالم ندوی حیات اور کارنامے، مصنف: ڈاکٹر عبدالحمید فاضلی، علامہ مسعود عالم ندوی شخصیت اور خدمات، مصنف: مفتی شرف عالم قاسمی، مسعود عالم ندوی، اختر راہی۔

(۱۵) مولانا غلام رسول مہر ضلع جالندھر کے ایک گاؤں پھول پور میں مئی ۱۸۹۴ء میں ایک باحمیت سلفی خاندان میں پیدا ہوئے، مولانا مہر کی گوناں گوں خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے لیے مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ سیاست وصحافت، ادب وبلاغت، تاریخ وسیر، تمدن وثقافت، تاریخ اسلام، تاریخ عالم، تحریک آزادی ہند، تاریخ مجاہدین اور آزادی ہند وغیرہ اہم موضوعات پر آپ نے نہایت محققانہ اور شاہکار تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف، مؤلف، مرتب یا مترجم تھے۔ اور آپ کی تمام تصانیف اپنے باب میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ کا سب سے عظیم الشان کارنامہ شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہا اللہ کی چلائی ہوئی تحریک جہاد کی وہ عظیم الشان تاریخ ہے جس کا دائرہ بحث شہیدین کی شہادت (۱۸۳۱ء) سے لے کر ۱۹۴۷ء تک وسیع ہے اور جس پر آپ نے اپنے عمر عزیز کے تیس سال صرف کر کے چار ضخیم جلدوں (سید احمد شہید اول، ثانی جماعت مجاہدین اور سرگزشت مجاہدین) کی شکل میں بڑی تقطیع کے تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل پیش کیا ہے اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس کی تحقیق میں لگے رہے۔ (مستفاد: مولانا غلام رسول مہر کی سیرت، مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی: ج:۲، ص: ۳۷-۴۱) مولانا غلام رسول مہر کی شخصیت اور سیرت پر تفصیلی طور پر پڑھنے کے لیے رجوع کریں۔ مولانا غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے از ڈاکٹر شفیق احمد

(۱۶) یہ کتاب اصلاً انگریزی زبان میں ڈاکٹر قیام الدین The Wahabi Movement In India نے لکھی ہے، اس کا اردو میں ترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی نے کیا ہے۔

نقشبندی اور ان کے عقائد: ایک تحقیقی جائزہ

فیصل عزیز

''نقشبندی'' صوفیوں کے ایک معروف فرقے کا نام ہے، جس کا تعلق محمد بہاء الدین شاہ نقشبند (وفات ۷۹۱ ہجری) سے ہے۔ اس فرقے کا نام ان کے بزرگ کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہیں ''نقش بند'' اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اتنے مشغول رہتے تھے کہ اللہ کا نام ان کے دل پر نقش ہو گیا، حالانکہ یہ دعویٰ محض افسانوی اور بے بنیاد ہے۔ یہ سلسلہ خاص طور پر ترکی، شام، عراق اور برصغیر میں پایا جاتا ہے۔

عقائد ونظریات:

(۱) سند اور نسب

نقشبندی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے سلسلے کی سند حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور جعفر الصادق کے ذریعے محمد بہاء الدین شاہ نقشبند تک منتقل ہوئی۔ مگر یہ محض دعویٰ ہے اور تاریخی یا علمی اعتبار سے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ زیادہ تر مشائخ اور اس سلسلے کے افراد نامعلوم ہیں اور تاریخ میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ سلف صالحین، جن کے نام ان سلسلوں سے جوڑے جاتے ہیں، جیسے حضرت ابوبکر اور جعفر الصادق، کبھی ان بدعات کو اختیار نہیں کرتے تھے۔

(۲) ذکر اور مراقبہ کے طریقے

نقشبندی حضرات کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا ذکر خفیہ ہونا چاہیے، زبان کے بغیر، آنکھیں بند کر کے، سانس روک کر، مخصوص بیٹھک میں اور دل کو زبان کے طور پر تصور کر کے اللہ کا نام یاد کرنا چاہیے۔ یہ طریقہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں ذکر زبان سے کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

(۳) رابطہ اور واسطہ کے عقائد

مرید کو بتایا جاتا ہے کہ اللہ تک رسائی کے لیے شیخ کے ذریعے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اس ''رابطہ'' کے مطابق، مرید کا دل شیخ کے ساتھ جڑتا ہے تاکہ اللہ کی توفیق حاصل ہو۔ یہ عقیدہ نہ صرف بدعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تک براہِ راست رسائی کی حقیقت کے منافی ہے، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

''اور اگر میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں''۔ (البقرہ:۱۸۶)

(۴) شیخ کی تعظیم اور صفاتِ الٰہی

نقشبندی مشائخ کو نفع وضرر دینے، علم غیب رکھنے اور اللہ تک رسائی کا مالک مانتے ہیں۔ یہ عقائد شرک کے زمرے میں آتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان صفات کا مالک نہیں۔

(۵) طاعت کا بدعتی نظام

مرید کو شیخ کی مکمل اطاعت لازمی قرار دی جاتی ہے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی حرام کام کا حکم دے تو بھی اعتراض نہ کیا جائے۔ اسلام میں طاعت صرف نیکی میں واجب ہے، گناہ میں نہیں۔

(۶) اہل علم کی نافرمانی

نقشبندی اکثر اہل علم اور فقہاء سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور غیر عالم افراد کو مشائخ مان لیتے ہیں۔ یہ عمل جاہلیت اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، کیونکہ سچائی جاننے اور فتویٰ حاصل کرنے کا صحیح طریقہ اہل علم کی طرف رجوع کرنا ہے۔

(۷) عقیدہ حلول واتحاد

بعض مشائخ اور مریدین اس فرقے میں عقیدۂ حلول واتحاد کے قائل ہوتے ہیں، جو اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے اور کفرانہ تصور کیا جاتا ہے۔

(۸) غیب اور روحانی تجربات کی طلب

نقشبندی کے اہم مقاصد میں عالمِ غیب تک رسائی اور روحانی تجربات حاصل کرنا شامل ہیں۔ یہ ضلالت ہے، کیونکہ اسلام میں غیب جاننے کی کوشش جائز نہیں اور اس کے لیے کوئی مشروع طریقہ نہیں بتایا گیا۔

دیگر بدعات ورسوم:

نقشبندی حضرات خلوات کی پابندی کرتے ہیں، جو تین دن سے لے کر چالیس دن تک جاری رہتی ہیں، اس دوران مرید مخصوص طریقوں سے ذکر اور عبادت کرتا ہے۔ یہ بھی اسلام میں کوئی مستند عبادت نہیں۔

مشائخ کی حرمت اور ان کے طرز زندگی کی تقلید پر زور دیا جاتا ہے، اور مرید کو شیخ کی ذاتی زندگی تک رسائی ممنوع ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ: نقشبندی اور دیگر صوفی سلسلے جو اسی طرز کے ہیں، بدعات، خرافات، اور مشرکانہ عقائد پر قائم ہیں۔ ان کا ذکر، مراقبہ، اور شیخ کی تعظیم اسلام کی حقیقی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ تک رسائی براہِ راست ہوتی ہے اور عبادت وذکر کے تمام اعمال اللہ کی رضا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہونے چاہیے۔

قسط:(۱۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اوران کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ

ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

رسالہ ”القاعدة المراكشية“ کا تعلق فن عقیدہ سے ہے، یہ مضمون اسی رسالہ کے تعارف پر مشتمل ہے۔

رسالہ کا نام: مخطوطات میں اس رسالہ کا نام ”القاعدة المراكشية“ ملتا ہے۔ اسی طرح بعد میں کئی ایک مصنفین ومحققین نے بھی یہی نام ذکر کیا ہے۔ جیسے ابن عبد الہادی ”وَأُخْرَى فِي الصِّفَات تسمى المراكشية“ العقود الدرية في مناقب ابن تيمية: ص:٦٧ ت الفقي)

ابن تیمیہ کی تحریروں کے ماہر ابن رشیق نے بھی یہی نام ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: المراكشية وَهِي فتيا فِي الصِّفَات خَمْسُونَ ورقة، أسماء مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية:ص:۲۰)

نوٹ:” أسماء مؤلفات شيخ الإسلام ابن تيمية“ یہ کتاب ابن قیم کی طرف منسوب ہے، اصلاً یہ کتاب ابن رشیق کی ہے، جیسا کہ علامہ عزیر شمس نے اپنے کسی محاضرہ میں بیان کیا ہے۔

صفدی وغیرہم نے بھی یہی نام ذکر کیا ہے۔ أعيان العصر وأعوان النصر:۲۴۱/۱ یہ رسالہ مجموع الفتاویٰ:۱۵۳/۵۔۱۹۴ میں بھی موجود ہے۔

سببِ تالیف: صفات باللہ بطور خاص اللہ کی صفت، صفت علو پر مراکش سے آنے والے ایک سوال کے جواب میں شیخ الاسلام نے یہ رسالہ سلف صالحین کے طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا، دراصل دو لوگوں میں بحث ہوئی اثبات صفات اور علو علی العرش کے اثبات کے تعلق سے۔ ان میں سے ایک کا کہنا تھا کہ اللہ کے لیے صفات کا ثابت کرنا دراصل اللہ کے لیے جسم ثابت کرنا ہے اور یہ ناپسندیدہ ہے، دوسرے کا کہنا تھا کہ نہیں اللہ کے لیے جو صفات ثابت ہیں انہیں ثابت کیا جائے گا، اب سوال یہ ہے ان دونوں میں سے کون حق پر ہے۔ اسی کا جواب ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں اس رسالہ کے اندر دیا ہے۔ اور اس سے متعلق اٹھائے جانے والے شبہات کا رد بھی احسن اور نفیس اسلوب میں کیا ہے۔

شیخ الاسلام کی کئی ایک تالیفات ایسی ہیں جن کی نسبت سائل کے شہر کی جانب ہے، جیسے الواسطیہ، الحمویہ وغیرہ۔

مراکش کا صحیح ضبط۔ مَرّاكُشُ: بالفتح ثم التشديد، وضم الكاف، وشين معجمة: أعظم مدينة بالمغرب وأجلّها. [معجم البلدان:۹۴/۵]

تاریخ تالیف: یہ کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ۷۱۲ھ میں قاہرہ میں لکھی، اس وقت ان کی عمر ۵۱ سال

کی تھی۔اس رسالہ کی تالیف کے ۱۶سال بعد ان کا انتقال ہوگیا۔واسطیہ اور حمویہ کے بعد اس کی تالیف ہے۔

موضوع: دراصل یہ رسالہ اللہ رب العزت کی صفات اور بطور خاص صفت علو سے متعلق ہے۔

فوائد علمیہ: (۱) اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری ایمانداری کے ساتھ بغیر کچھ چھپائے لوگوں کے سامنے الٰہی تعلیمات کو پیش کر دیا،ایک نبی اللہ کے پیغام کو چھپائے یہ نبوت کے برخلاف بات ہے۔

(۲) امت کی خیر وبھلائی کی جتنی بھی شکلیں اور راستے ہوسکتے تھے،ان تمام کی صراحت و وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کردی ہے۔جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

”أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبْعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ“.”اے لوگو!کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردے مگر میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے،اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے تو تمہیں جہنم سے قریب اور جنت سے دور کردے مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے“۔[شرح السنة للبغوي:۴۱۱۱]

(۳) قرآن فہمی اور جذبہ عمل قرآن کریم کے تعلق سے صحابۂ کرام کا دیکھیں،دس آیتوں سے آگے اس وقت تک نہ بڑھتے تھے جب تک کہ وہ انہیں اچھے سے سمجھ نہیں لیتے اور ان پر عمل نہیں کر لیتے تھے،عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تعلق سے ملتا ہے کہ انہوں نے سورۂ بقرہ کو سیکھنے میں آٹھ برس لگا دیا۔لہٰذا قرآن کی تلاوت اور فہم دونوں ضروری ہے۔

(۴) جب ایک انسان طب،حساب،نحو اور فقہ وغیرہ کی کتابیں پڑھتا ہے تو اسے ضرور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے،پھر قرآن کے سلسلہ میں تو اسے بدرجۂ اولیٰ کوشش کرنی چاہیے،کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب ہے،راہ ہدایت اسی سے ملتی ہے،حق وباطل کی پہچان اسی کتاب کے ذریعہ سے ممکن ہے۔

(۵) اللہ رب العزت نے قرآن میں کئی سارے مقامات پر تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے۔دیکھیں:(سورہ:ص:۲۹،محمد:۲۴،المؤمنون:۶۸،نساء:۸۲)

(۶) اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ﴾[سورة الإسراء:۴۶]

”اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب آپ صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن میں کرتے ہیں تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں“۔[سورة الإسراء:۴۶]

(۷) تابعی مجاہد رحمہ اللہ کا تفسیر میں مقام ومرتبہ سفیان ثوری کے اس قول سے بخوبی واضح ہوتا ہے:"کان سفیان الثوري یقول: إذا جاءك التفسیر عن مجاهد فحسبك به." "سفیان ثوری کہتے ہیں: جب آپ کے پاس مجاہد کی تفسیر آجائے تو آپ کو وہی کافی ہے"۔[مقدمة في أصول التفسيرلابن تيمية:۴۴]

(۸) اللہ کے لیے صفت علو متعدد نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کئی ایک قرآنی آیات اس باب میں ذکر کی ہیں، اللہ رب العزت نے قرآن میں سات مقامات پر استواء علی العرش کا ذکر کیا ہے، (الاعراف:۵۴، یونس:۳، الرعد:۲، الفرقان:۵۹، السجدہ:۴، الحدید:۴، طہ:۵)

(۹) سلف اس امت کے بہترین لوگ ہیں اوران کا راستہ افضل ترین راستہ ہے۔

(۱۰) سورہ مجادلہ کی آیت ﴿مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا﴾ کی تفسیر کئی اہل علم نے "علم" سے کی ہے اوراس پر ابوعمر المالکی نے تمام صحابہ وتابعین کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔

(۱۱) مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور بیت المقدس سے آسمان تک کے سفر کو "معراج" کہتے ہیں۔

(۱۲) سفر معراج میں پہلے آسمان پر آپ کی ملاقات آدم علیہ السلام سے دوسرے آسمان پر یحییٰ وعیسیٰ، تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے، چوتھے پر ادریس، پانچویں پر ہارون، چھٹے پر موسیٰ اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی جیسا کہ اس تعلق سے صحیح حدیث موجود ہے۔

(۱۳) جو اسلام کو ظاہر کرے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھے وہ منافق، زندیق اور علمانی ہے۔

(۱۴) اسراء اور معراج دونوں ایک ہی رات میں ہوئے ہیں۔

(۱۵) ابوعمر بن عبدالبر المالکی مؤطا کی شرح میں جب "حدیث النزول" پر بات کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ حدیث النزول کی صحت پر محدثین کا اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو متواتر ہے۔

تحقیقات وشروحات:

(۱)القاعدة المراكشية لابن تيمية.تحقيق دغش العجمي. (۲)شرح المراكشية . أ.د ابراهيم بن عامر الرحيلي۔

(۳)التعليقات الإيضاحية على القاعدة المراكشية، مؤلف:عبد العزيز بن عبد الله الراجحي.

(۴)تحقيق : الدكتور ناصرين سعد الرشيد۔ (۵)التعليقات السلفية على القاعدة المراكشية .د/عبد العزيز بن ريس الريس

جاری.........

خواتین قلمکار کے لیے ماہانہ مجلہ "اہل السنہ" ممبئی کی ایک جدید پیشکش

اهْلُ السُّنَّة
Ahl Us Sunnah

جنوری ۲۰۲۶ء | January 2026

گوشۂ خواتین

فہرست

نمازِ وتر کے احکام ومسائل (قسط: ثانی)	ام محمد خوشنما مصلح الدین	40
دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین	شبانہ الماس بنت شاہ عالم	45

ایڈیٹر: ام محمد خوشنما مصلح الدین حفظہا اللہ
(طالبہ ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ سعودی عرب)

رابطہ نمبر برائے خواتین قلمکار
+91 -7045788737
ahlussunnah.ms@gmail.com

(قسط: ثانی)

نمازِ وتر کے احکام و مسائل

ام محمد خوشنما مصلح الدین (جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ)

پہلی قسط میں نمازِ وتر کی حقیقت، اہمیت اور اس کے شرعی حکم پر گفتگو کی گئی تھی، وضاحت کی گئی تھی کہ وتر عشاء کے بعد سے فجر تک ادا کی جانے والی طاق رکعتوں والی نماز ہے، جو سنتِ مؤکدہ اور نبی ﷺ کی ہمیشہ کی عادت تھی، جمہور کے نزدیک یہ واجب نہیں بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، اور افضل یہ ہے کہ اسے رات کے آخری حصے میں ادا کیا جائے۔

چنانچہ اب اسی کی دوسری قسط قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے جس میں نمازِ وتر کی صفت اور اس کی رکعتیں، وتر میں پڑھی جانے والی مسنون سورتیں اور دعائیں مذکور ہیں، اس موضوع سے متعلق بقیہ مسائل ان شاءاللہ اگلی قسطوں میں ذکر کی جائیں گی۔

(٦) نمازِ وتر کی صفات اور رکعتیں: نمازِ وتر ادا کرنے کی کئی صفات (طریقے) سنت سے وارد ہیں:

(۱) پہلی صفت: صرف ایک رکعت نمازِ وتر پڑھنا، اور یہ جائز ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ". "وتر رات کے آخری حصے کی ایک رکعت ہے"۔ [صحیح مسلم: ۷۵۲]

(۲) دوسری صفت: تین رکعتیں وتر پڑھنا، اور تین وتر دو طریقے سے ادا کئے جا سکتے ہیں:

(۱) پہلا طریقہ: یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیا جائے اور پھر تیسری رکعت پڑھی جائے؛ جیسا کہ صحیح ابن حبان میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "كان النَّبيُّ ﷺ يفصِلُ بينَ الشَّفعِ والوِتْرِ بتسليمٍ يُسمِعُناه". "نبی ﷺ دو رکعتوں اور وتر کے درمیان سلام کے ذریعے فصل فرماتے تھے اور سلام کی آواز ہمیں سنائی دیتی تھی"۔ [صحیح ابن حبان: ۲۴۳۴]

اسی طرح بخاری میں نافع سے روایت ہے کہ: "أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ". "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی جب تین رکعتیں پڑھتے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے یہاں تک کہ ضرورت سے بات بھی کرتے"۔ [صحيح البخاري: ۹۹۱]

(۲) دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ تین رکعتیں اکٹھی ایک ہی تشہد کے ساتھ پڑھی جائیں، یعنی دوسری رکعت میں بغیر

تشہد وسلام کے تینوں رکعتیں ادا کی جائیں اور صرف آخر میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔

اس کی دلیل سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:"كانَ رسولُ اللَّهِ يقرأُ في الوترِ بـ سبِّحِ اسمَ ربِّكَ الأعلى وفي الرَّكعةِ الثّانيةِ بـ قل يا أيُّها الكافرونَ وفي الثّالثةِ بـ قل هوَ اللَّهُ أحدٌ ولا يسلِّمُ إلّا في آخرِهنَّ ويقولُ يعني بعدَ التَّسليمِ سبحانَ الملِكِ القدُّوسِ ثلاثًا".''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ وتر کی پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى"، دوسری رکعت میں "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" اور تیسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" پڑھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آخری رکعت میں ہی سلام پھیرتے تھے (یعنی تین رکعتوں کو ملانے کے بعد ایک ہی تشہد سے) اور سلام کے بعد تین مرتبہ "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ" پڑھتے تھے''۔ [صحيح النسائي: (١٧٠٠)، صححه الألباني]

احناف کے نزدیک تین رکعات وتر ادا کرنے کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہے اور یہی طریقہ ان کے نزدیک صحیح و درست ہے، وہ یہ ہے کہ وتر تین رکعتوں کو ملا کر پڑھا جائے، دوسری رکعت کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھا جائے لیکن سلام نہ پھیرا جائے، بلکہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اس کے بعد سلام پھیریں، گویا کہ یہ صورت مغرب کی نماز کی طرح ہو جائے گی۔

علماء کرام نے اس طریقے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی بناء پر ناپسند قرار دیا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:''لا توتِروا بثلاثٍ تَشبَّهوا بصلاةِ المغربِ''۔ ''تین رکعات وتر کو اس طرح مت پڑھو کہ اس کی نمازِ مغرب کے ساتھ مشابہت ہو جائے''۔[المستدرك على الصحيحين: ١١٣٧]

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تین رکعات وتر کو دو تشہد کے ساتھ مغرب کی نماز کی طرح پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح اور واضح حدیث نہیں آئی ہے، بلکہ اس طریقے میں کراہت کا پہلو ضرور ہے، اسی لیے ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ (وتر کی) جفت اور طاق رکعتوں کے درمیان تشہد کے لیے نہ بیٹھا جائے، اور اگر بیٹھ جائے تو سلام پھیر لے، اور یہی طریقہ (یعنی دو رکعات پر سلام پھیر کر ایک رکعت علیحدہ پڑھنا) افضل ہے''۔[صلاة التراويح للألباني:ص:١١٢]

(۳) تیسری صفت: پانچ رکعتیں وتر پڑھنا، اور انہیں ملا کر پڑھی جائے، یعنی صرف ایک تشہد کے ساتھ سلام پھیرا جائے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُوتِرُ مِنْ ذَلِكَ بِخَمْسٍ، لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا". ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں سے پانچ رکعتوں کے ذریعے وتر (ادا) کرتے تھے، ان میں آخری رکعت سے پہلے کسی میں بھی تشہد کے لیے نہ بیٹھتے تھے''۔ [صحيح مسلم:٧٣٧]

(۴) چوتھی صفت: سات رکعتیں وتر پڑھنا، اور انہیں ملا کر پڑھی جائے یعنی صرف آخری رکعت میں ایک تشہد کے ساتھ سلام پھیرا جائے، اس سلسلہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ: ''لَمَّا أَسَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ صَلَّى سَبْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَقْعُدُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ، وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ قَاعِدٌ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ , فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ''۔ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ ہونے لگے، اور بدن پر گوشت چڑھ گیا، تو آپ سات رکعت پڑھنے لگے، اور صرف ان کے آخر میں قعدہ کرتے تھے، پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت اور پڑھتے تو میرے بیٹے! یہ نو رکعتیں ہوئیں''۔ [سنن النسائي:١٧١٩، صححه الألباني]

(۵) پانچویں صفت: نو رکعتیں وتر پڑھنا، اس میں آٹھویں رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے مگر سلام نہ پھیرے، پھر نویں رکعت مکمل کرنے کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ایک لمبی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں ہے کہ: "كُنَّا نُعِدُّ لَهُ، سِوَاكَهُ، وَطَهُورَهُ، فَيَبْعَثُهُ اللَّهُ مَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَتَسَوَّكُ، وَيَتَوَضَّأُ، وَيُصَلِّي تِسْعَ رَكَعَاتٍ، لَا يَجْلِسُ فِيهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ، فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ ثُمَّ يَنْهَضُ، وَلَا يُسَلِّمُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةَ، ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللَّهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوهُ، ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيمًا يُسْمِعُنَا". ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور آپ کے وضو کا پانی تیار کر کے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ رات کو جب چاہتا، آپ کو بیدار کر دیتا تو آپ مسواک کرتے، وضو کرتے اور پھر (وتر کی) نو رکعتیں پڑھتے، ان میں آپ صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، پھر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد بیان کرتے اور دعا فرماتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے، پھر کھڑے ہو کر نویں رکعت پڑھتے، پھر تشہد کے لیے بیٹھتے، اللہ کا ذکر اور حمد کرتے اور اس سے دعا کرتے، پھر سلام پھیرتے اور ہمیں یہ سلام سناتے''۔ [صحيح مسلم:٧٤٦]

(٦) چھٹی صفت: وتر کی گیارہ رکعتیں پڑھنا، اس میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، فرماتی ہیں کہ: ''انَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ''. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے، جس کو لوگ عتمہ کہتے

ہیں، فراغت کے بعد سے فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے تھے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک کے ذریعے وتر ادا فرماتے''۔ [صحيح مسلم: ٧٣٦]

اہل الحدیث علماء کے نزدیک وتر میں ایک سے لے کر گیارہ رکعتوں تک پڑھی جاسکتی ہے، البتہ جن روایات میں تیرہ رکعتوں کا تذکرہ ہے، جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:''أَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً فَلَمَّا كَبِرَ وَضَعُفَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ". ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر تیرہ رکعت پڑھتے تھے لیکن جب آپ عمر رسیدہ اور کمزور ہو گئے تو سات رکعت پڑھنے لگے''۔[سنن ترمذي :٤٥٧، صحيح]

ان روایات کے سلسلہ میں اہلِ علم کا کہنا ہے کہ گیارہ رکعت قیام اللیل (آٹھ رکعت قیام اللیل + تین رکعت وتر) کے ساتھ یا تو ان میں سنت فجر شامل ہوتی تھی، یا پھر آٹھ رکعت قیام اللیل کے ساتھ پانچ رکعت وتر ہوتی، اس طرح مکمل تیرہ رکعت ہوتے۔ واللہ اعلم

(۷) نمازِ وتر میں پڑھی جانے والی مسنون سورتیں:

وتر ایک سے لے کر گیارہ رکعات تک پڑھی جاسکتی ہے، اور ان رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد نمازی جو سورت چاہے پڑھ سکتا ہے، وتر ہو جائے گی اور اس میں کوئی خلل نہیں ہوگا، لیکن افضل یہ ہے کہ آخری تین رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ، دوسری رکعت میں سورہ کافرون اور تیسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی جائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں وارد ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تو پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الأعلى"، دوسری میں "قل يا أيها الكافرون" اور تیسری میں "قل هو الله أحد" پڑھتے تھے، چنانچہ عبدالعزیز بن جریج کہتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی رکعت میں: "سبح اسم ربك الأعلى" دوسری میں "قل يا أيها الكافرون" اور تیسری میں "قل هو الله أحد" اور معوذتین پڑھتے تھے''۔ [سنن ابن ماجة:١١٧٣، صححه الألباني]

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں: "سبح اسم ربك الأعلى"، "قل يا أيها الكافرون"، اور "قل هو الله أحد" پڑھتے تھے''۔ [سنن ابن ماجة: ١١٧١، صححه الألباني]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین

رکعت وتر پڑھتے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الأعلى، دوسری میں "قل یا أیها الکافرون" اور تیسری میں "قل هو الله أحد" پڑھتے تھے اور یہی طریقہ سب سے بہتر ہے، البتہ اگر کوئی ان کے علاوہ دیگر سورتیں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، معاملہ وسیع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل:۲۰]

''پس جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو پڑھو''۔ [من موقعه رحمه الله]

(۸)وتر کے قنوت میں پڑھی جانے والی مسنون دعائیں:

صحیح حدیث میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتر میں کہا کرتا ہوں، وہ کلمات یہ ہیں:''اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ". ''اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں میں (داخل کر کے) جن کو تو نے ہدایت دی ہے اور مجھے عافیت دے ان لوگوں میں (داخل کر کے) جن کو تو نے عافیت دی ہے اور میری کارسازی فرما ان لوگوں میں (داخل کر کے) جن کی تو نے کارسازی کی ہے اور مجھے میرے لیے اس چیز میں برکت دے جو تو نے عطا کی ہے اور مجھے اس چیز کی برائی سے بچا جو تو نے مقدر کی ہے، تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، جسے تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ عزت نہیں پا سکتا، اے ہمارے رب تو بابرکت اور بلند و بالا ہے''۔ [سنن ابي داؤد:۱۴۲۵، صحيح]

اسی طرح ایک اور روایت میں علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے، یعنی وتر کی دعا میں یہ الفاظ بھی بڑھاتے تھے:''اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ''. ''اے اللہ! میں تیری رضامندی کے ذریعہ تیری ناراضی سے پناہ مانگتا ہوں، اور تیری معافی کے ذریعہ تیری سزاؤں سے پناہ مانگتا ہوں، اور تیرے رحم و کرم کے ذریعہ تیرے غیظ و غضب سے پناہ مانگتا ہوں، میں تیری حمد و ثنا کو شمار نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے''۔ [سنن الترمذي:۳۵۶۶، صحيح]

لہٰذا یہ دعائیں وتر کے قنوت میں پڑھنا مستحب ہے۔

(جاری.........)

دفاع صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین

شبانہ الماس بنت شاہ عالم

صحابۂ کرام اس روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل تھے، انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منتخب فرمایا، صحابی کا افتخار ہی یہ ہے کہ اس نے ایمان کی آنکھ سے چہرۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا شرف حاصل کیا، حالتِ ایمان میں ہی صحبت ومجالستِ نبوی اختیار کی، ایمان کی حالت میں ہی زندگی بسر کی اور ایمان کی حالت میں ہی دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کی سمت رختِ سفر باندھا، صحابہ کے فضائل کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ عرشِ بریں سے اللہ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ان کے شان ومقام کو بیان فرمایا اور ان کے مربی واستاد خود سرور کائنات آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، صحابہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آواز پر اپنی جان، مال اور خواہشات کو قربان کر ڈالا، یہی وہ صحابہ ہیں جو اِشاعت اسلام، دفاعِ اسلام اور ترویجِ اسلام کی خاطر مختلف قسم کی آزمائشوں اور مصیبتوں کی چکیوں میں پستے رہے، اشاعتِ اسلام کی سربلندی کے لیے ہر طرح کی تکلیف کو مسکرا کر سہتے رہے، یہی وہ صحابہ ہیں جو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، یہی وہ صحابہ ہیں جنھیں کبھی قرآن مجید میں اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا قرار دیا گیا۔

یہی وہ عظیم صحابہ ہیں جن کی حیاتِ طیبہ میں ہی انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کا مژدۂ جاں فزا سنایا گیا، اللہ تعالیٰ صرف ان کے ظاہر اور ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا بلکہ ان کے ظاہر و باطن، حال اور مستقبل کو دیکھ کر راضی ہوا، گویا یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ اب ان سے رضائے الٰہی کے خلاف تادمِ زیست کچھ بھی صادر نہیں ہوگا، کسی کے بارے میں تو ظن وتخمین سے ہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا یا نہیں لیکن صحابۂ کرام کے بارے میں نص صریح موجود ہے، اس کے باوجود جو لوگ ان سے راضی نہیں ہوتے تو گویا وہ اللہ رب العالمین سے اختلاف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ کس سے اختلاف کر رہے ہیں۔

صحابۂ کرام کا دفاع کیوں ضروری ہے؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع اس لیے ضروری ہے کہ خود رب العالمین نے ان عظیم ہستیوں کا بے شمار مرتبہ قرآن مجید میں دفاع کیا۔

صحابۂ کرام کا دفاع اس لیے ضروری ہے کہ خود ہمارے نبی ﷺ نے ان کا دفاع کیا۔

صحابہ کا دفاع اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کا دفاع قرآن وحدیث کا دفاع ہے، صحابہ کا دفاع عقیدہ ومنہج کا دفاع ہے، صحابہ کا دفاع دین کے ارکان کا دفاع ہے۔

جب دشمنانِ اسلام تمام تر کوششیں کرنے کے بعد بھی مسلمانوں کے عقیدہ اور ان کے صحیح دین میں شک پیدا کرنے سے عاجز رہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ زنی کرنے کا راستہ اختیار کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ ان جیسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات میں عیب جوئی کرنا چاہا مگر ممکن نہ ہوسکا تو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کی، تاکہ کہا جائے کہ وہ بڑا برا آدمی تھا، ورنہ اگر وہ نیک ہوتا تو اس کے ساتھی بھی نیک ہوتے''۔ [الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ص:۵۸۰]

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق (کافر) ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں برحق ہیں، قرآن برحق ہے اور اسی قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو ہم تک رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے پہنچایا ہے، درحقیقت یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو ضائع کردیں، جرح انہی کو سزاوار ہے، یہ لوگ زندیق ہیں''۔ [منہاج السنہ از شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱/۱۸]

آج کے پُرفتن دور میں جب ایمان کمزور اور فتنوں کی یلغار شدید ہوچکی ہے، دشمنانِ اسلام مختلف طریقوں سے دین کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کررہے ہیں، کبھی قرآن پر اعتراض، کبھی سنت پر شک، اور کبھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام وکردار کو نشانہ بنایا جاتا ہے، یہی وہ نازک مرحلہ ہے جہاں دفاعِ صحابہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ اگر صحابہ پر اعتماد ختم ہوجائے تو دین کی زنجیر ٹوٹ جاتی ہے، اور امت کا تعلق براہِ راست وحی سے منقطع ہوجاتا ہے، دشمن جانتا ہے کہ جب امت کے دلوں سے صحابہ کی عظمت مٹ جائے گی تو دین پر عمل کا جوش بھی سرد پڑ جائے گا، اس لیے آج کے حالات میں ان پاک ہستیوں کا دفاع صرف ایک علمی فریضہ نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت اور فتنوں کے مقابلے کا ہتھیار ہے۔

صحابہ کے خلاف زبان وقلم کا استعمال کرنا منع ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ، وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ

أَجْمَعِينَ"۔ ''جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''۔ [سلسلة الاحاديث الصحيحه: ۲۳۴۰]

اس حدیث کی روشنی میں وہ تمام افراد جو اصحابِ محمد ﷺ پر تبراء اور طعن و تشنیع کرتے ہیں، ملعون ہیں اور ہر قسم کی خیر و بھلائی اور انسانی ہمدردی سے محروم و مستثنیٰ ہیں، وہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت کے مستحق ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سی چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے ان پر زبان درازی کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ"۔ ''میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مدغلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر''۔ [صحيح بخاری: ۳۶۷۳]

کیا صحابہ کا دفاع کرنا مشاجرات صحابہ میں پڑنا ہے؟

ہرگز نہیں اس چیز کو مشاجرات صحابہ میں پڑنا شمار نہیں کیا جائے گا جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے بلکہ یہ اس حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرانا ہوگا جو ان مقدس شخصیتوں سے وابستہ بے جا الزامات کا دفاع کرتی ہے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب کوئی بدعتی نمودار ہو جو صحابہ کی شان میں ناحق طعنہ زنی کرے تو ایسی صورت میں ان کے ناموس کا دفاع کرنا اور علم و انصاف کے ذریعہ ان کی حجت کو باطل ٹھہرانے والے دلائل و براہین ذکر کرنا ضروری ہے''۔ [منهاج السنته، از شيخ الاسلام ابن تيميه:۶/۲۵۴]

کیا صحابۂ کرام گناہوں سے مبرا اور تنقید سے بالاتر ہیں؟

صحابہ سے متعلق ہمارا عقیدہ بھی وہی ہونا چاہیے جو محدثین وفقہا اور علمائے امت کا عقیدہ ہے کہ ''الصحابة كلهم عدول''، ظاہر ہے ہم تک دین پہنچنے کا ذریعہ وہی ہیں، اگر ان کی عدالت میں ذرہ برابر بھی شک پیدا ہو جائے تو پورا دین مخدوش و مشکوک ہو جائے گا، لیکن صحابہ راست باز ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ صحابہ انبیاء کرام کی طرح معصوم عن الخطاء اور گناہوں سے مبرا ہیں، بشری کمزوریوں سے بالاتر ہیں، مگر ان پر تنقید کرنا ان کی کسی لغزش،

بشری تقاضے کے سبب ان سے سرزد ہونے والے گناہ کی وجہ سے انہیں تنقید کا نشانہ بنانا ان پر لعن طعن کرنا شرعاً جرم ہے اور یہ کئی مفاسد کا سبب ہے:

(الف) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مقدس ہستیوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنہوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے''۔[الحشر:۱۰]

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے کیا ہی خوبصورت استنباط کیا ہے کہ رافضی جو صحابہ کو گالی دیتا ہو، اس کا مال فے میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ اس میں وہ اوصاف نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ذکر فرمایا ہیں۔(تفسیر القرآن الکریم)

(ب) رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صحابہ کی تعظیم وتوقیر کرنے کی تاکید کی ہے، ان پر تنقید کرنا اور ان کی کسی بھی خطا کو اپنی زبان وقلم سے عام کرنا اور پھیلانا، ان کی تعظیم کے خلاف ہے اور بڑی توہین و تذلیل ہے، جس کی کتاب وسنت میں سخت ممانعت ہے اور شرعاً جرم عظیم ہے۔

گستاخانِ صحابہ کا عبرت ناک انجام:

صحابۂ کرام کی گستاخی کرنا بہت بڑا جرم ہے، ایسا شخص دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوگا اور آخرت میں بھی رسوا و نامراد ہوگا، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی عبرت کا نشان بنا دیتا ہے، گستاخانِ صحابہ کا انجام جو ہوا اس کی ایک طویل فہرست ہے، یہاں چند گستاخِ صحابہ کا واقعہ قابل ذکر ہے تاکہ جو لوگ صحابہ کے بارے میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں، ان پر لعن وطعن کرتے ہیں ان کے خلاف اپنی زبان اور قلم کا بے جا استعمال کرتے ہیں، وہ ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں اور ہوش کے ناخن لیں!

(۱) سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی گستاخ عورت کا انجام:

ایک عورت نے (جس کا نام اروی تھا) اس نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس کی کچھ

زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور مروان بن حکم کے پاس مقدمہ لے کر گئی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں اس بات کے بعد بھی اس کی زمین کے کسی حصے پر قبضہ کر سکتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی؟ اس (مروان) نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا سنا؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس نے (عام یا کسی کی) زمین میں سے ایک بالشت بھی ظلم سے حاصل کی اسے سات زمینوں تک کا طوق پہنایا جائے گا''۔ تو مروان نے ان سے کہا: اس کے بعد میں آپ سے کسی شہادت کا مطالبہ نہیں کروں گا، اس کے بعد انہوں (سعید) نے کہا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اسے اس کی زمین ہی میں ہلاک کر دے، (عروہ نے) کہا: وہ (اس وقت تک) نہ مری یہاں تک کہ اس کی بینائی ختم ہو گئی، پھر ایک مرتبہ وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں جا گری اور مر گئی''۔ [صحیح مسلم: ۱۶۱۰]

(۲) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گستاخ کا انجام:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا، تو کوفہ والوں نے سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ: وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا، آپ نے ان سے پوچھا: اے ابواسحاق! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو؟ اس پر آپ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا، عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو اس کی پہلی دو رکعات میں قرأت لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی، پھر آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا، قاصد نے ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا سب نے آپ کی تعریف کی لیکن جب مسجد بنی عبس میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابوسعدہ تھی کھڑا ہوا اس نے کہا: جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سنیے، سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مال غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ ہی فیصلے میں عدل وانصاف کرتے تھے، یہ سن کر سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہاری اس بات پر تین دعائیں کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا ونمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر، اس کے بعد وہ شخص اس درجہ بدحال ہوا کہ جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا: ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے، عبدالملک نے

بیان کیا: ’’میں نے اسے دیکھا اس کی بھویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھیں، لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا‘‘۔ [صحیح بخاری: ۷۵۵]

(۳) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے گستاخ کا انجام:

معروف عالم دین شیخ سبطین شاہ نقوی جو پہلے شیعہ تھے، بعد میں انہوں نے توبہ کر لی اور تشیع کو ترک کر دیا، وہ اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ’’ہمارے گھر میں میرا حقیقی ماموں جب فوت ہوا تو اس سے اس طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی کتا بھونک رہا ہو، چہرے کا رنگ بدل گیا کیونکہ اس کا وطیرہ تھا کہ جب گھر میں کوئی کتا داخل ہوتا تو کہتا (معاذ اللہ) ابوبکر آ گیا عمر آ گیا، اتنی گندی زبان استعمال کرتا تھا، اس لیے جب وہ مرا تو اس سے کتے کی آوازیں آتیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا‘‘۔ (خطبات اہل حدیث، ص:۲۲۶)

(۴) حسین رضی اللہ عنہ کے گستاخ کا انجام:

ابو رجاء عطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’تم علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہو اور نہ ہی ان کے گھر والوں کو، ہمارا ایک پڑوسی جو کوفہ سے آیا تھا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگا: ’’تم اس فاسق ابن فاسق کو نہیں دیکھتے جسے اللہ نے ہلاک کر دیا ہے، پس اس گستاخی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ میں دو کیل (میخ) پھینکے اور اسے اندھا کر دیا‘‘۔ [فضائل الصحابة لاحمد:۹۷۴]

صحابہ کرام کا دفاع کرنے والے کی حوصلہ افزائی:

محمد بن عبداللہ مخزومی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے شعیب بن حرب رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا پھر بوسہ لیا پھر فرمایا: تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے بیٹے محمد کا بوسہ کیوں لیا ہے؟ اس لیے کہ اس نے اپنی جان کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ [فضائل الصحابة لاحمد:۱۱۵]

قارئین کرام! ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ایسے لوگوں کا ساتھ دیں جو صحابۂ کرام کا دفاع کرتے ہیں، انہیں سراہیں، حوصلہ افزائی کریں، ان کے لیے دعائے خیر کریں، اور جو لوگ صحابہ کی تنقید کرتے ہیں ان پر لعن طعن کرتے ہیں، ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں کو عوام الناس کے سامنے عیاں کرتے ہیں ان کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

اللہ رب العالمین! ہمیں جملہ صحابہ سے بلا تفریق محبت کرنے کی توفیق عطا فرما، ان کے کردار و عمل کو ہماری زندگی کا نمونہ بنا اور بروز قیامت ’’المرء مع من احب‘‘ کے تحت ہمارا حشر ان کے ساتھ فرما۔ (آمین)

ماہ دسمبر ۲۰۲۶ء اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی کے

دینی اجتماعات کی جھلکیاں

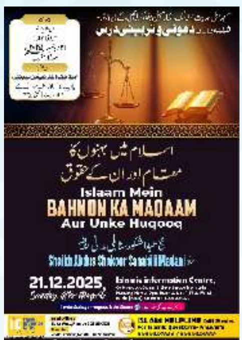

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

الحمد للہ

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی کا (اسلامی کلینڈر ۲۰۲۶ء) منظر عام پر آچکا ہے، جو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعوّذات (جن دعاؤں میں نبی نے بری چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔)، بارہ اسلامی مہینوں کے تعارف وفضائل، نمازوں کے اوقات، اسلامی سن ہجری کی تاریخ، ودیگر اسلامی معلومات پر مشتمل ہے۔

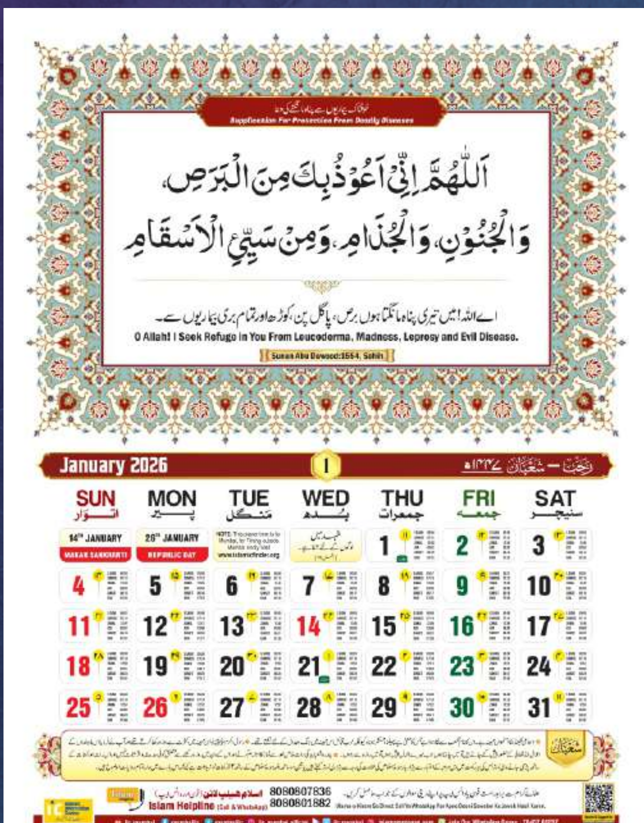

کلینڈر حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں : 8291063755, 7045788254

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Managed by : **ILM Foundation**

To,

Book Post

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

Printed, Published & Owned By : Saad Khalid Patel | Printed at: A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg, Lower Parel (West), Mumbai - 400013., Published at :106, Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai-400010
Editor : Shaikh Kifayatullah Sanabili Mobile : 8657458182